Regd. No. P/GDP-3
Phone No. 35

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

ہفت روزہ

بدر

سلسلہ عالیہ احمدیہؑ کے دائمی مرکز قادیان کا دینی، تبلیغی، تعلیمی اور تربیتی ترجمان

مسجد اقصےٰ ربوہ

جس کے پُرشوکت مینار اور منبر و محراب اذان کی پُرکیف اور وجد آفریں صداؤں سے محروم ہیں۔ مگر اس کا ہر نمازی حکومتِ پاکستان کی تمام تر چیرہ دستیوں کے باوجود بفضلہٖ تعالیٰ اِس یقین و اعتماد سے لبریز ہے کہ ؎

یہ صدی غلبۂ دینِ احمد کی ہے
کیسے مٹتا ہے رنگِ دِگر دیکھنا
جتنی تاریک ظلمت کی یہ رات ہے
اس سے روشن ہے اس کی سحر دیکھنا

ادارۂ تحریر

ایڈیٹر:۔ خورشید احمد انور

نائبین

شکیل احمد طاہر ــــــ سید وسیم احمد عجب شیر

ہفت روزہ بدر قادیان

جلسہ سالانہ نمبر

بابت

۱۳/۶ ربیع الثانی ۱۴۰۶ ھ

مطابق

۱۹/۲۶ فتح ۱۳۶۴ ہش

۱۹/۲۶ دسمبر ۱۹۸۵ء

جلد ۳۴	شمارہ ۵۱/۵۲

شرح چندہ

سالانہ ——— ۳۶ روپے

ششماہی ——— ۱۸ روپے

ممالک غیر بذریعہ بحری ڈاک ——— ۱۲۰ روپے

فی پرچہ ——— ۷۵ پیسے

خاص نمبر ——— ۴.۰۰ روپے

اداریہ

موجودہ دورِ ابتلاء میں غیر معمولی افضال و برکاتِ سماوی کا نزول!

زبان سے ایمان کا دعویٰ اُس وقت تک کچھ حقیقت نہیں رکھتا جب تک کہ اس کے ساتھ دلی عزیمت اور مومنانہ صبر و استقامت کا عملی مظاہرہ نہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں آیت قرآنی اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (عنکبوت:۳) میں ایمان کے لئے ابتلاء و آزمائش کو شرطِ اوّلین قرار دیا ہے۔ وہاں سورہ حٰم السجدہ کی ۳۱ویں آیت اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا..... الخ کے ذریعہ ایمان کی اس اہم شرط کو کمال صبر و استقامت کے ساتھ پورا کرنے والوں کو بے شمار انعامات سے سرفراز کئے جانے کی عظیم الشان خوشخبری بھی عطا فرمائی ہے۔

مندرجہ بالا آیاتِ کریمہ میں بیان شدہ وسیع اور پُر حکمت مضمون کی مصداق آج روئے زمین پر اگر کوئی جماعت ہے تو وہ صرف جماعتِ احمدیہ ہے جو محض خدا تعالیٰ کے ایک فرستادہ پر ایمان لانے کے نتیجہ میں قریباً ایک سو سال سے ہمہ اقسام مصائب و آلام کا مومنانہ صبر و ثبات کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کرتی چلی آرہی ہے۔ اور ہنوز قدم قدم پر حائل مشکلات و مصائب کا یہ سفر جاری ہے۔ دوسری طرف اس کے تئیں اللہ تعالیٰ کی معجزانہ تائید و نصرت بھی اس رنگ میں کارفرما دکھائی دیتی ہے کہ آنے والا ہر بڑے سے بڑا ابتلاء افرادِ جماعت کے پایۂ صبر و ثبات میں کسی قسم کی لغزش پیدا کرنے کی بجائے ان کے لئے اپنے جلو میں ہمیشہ غیر معمولی ترقیات اور کامیابیوں کا پیغام ہی لے کر آتا ہے۔ جو چشم زدن میں دشمنانِ احمدیت کی تمام عارضی اور جھوٹی خوشیوں کو محرومیوں اور ناکامیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

ایسے ہی ایک عظیم دورِ ابتلاء میں سے جماعتِ احمدیہ آج بھی گزر رہی ہے۔ جس کا آغاز گزشتہ سال ۲۶ اپریل کو پاکستان میں جماعتِ احمدیہ کے خلاف ایک سراسر غیر اسلامی صدارتی آرڈی نینس سے ہوا۔ عام انسانی قدروں کے بھی یکسر منافی حکومتِ پاکستان کے اس غیر منصفانہ اقدام کے پسِ پردہ معاندینِ احمدیت کے یہی ناپاک اور مذموم عزائم کارفرما تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو جماعتِ احمدیہ کی مرکزیت پر ہاتھ ڈالا جائے۔ اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اس کے فعال تبلیغی نظام کو کلیتاً مفلوج کر دیا جائے۔ چنانچہ ان ہی ناپاک عزائم کو پورا کرنے کے لئے آرڈی نینس میں جماعتِ احمدیہ کے معتقدات پر کھلے عام تبر رکھ کر اس کے معصوم افراد کو بیک جنبشِ قلم تمام بنیادی انسانی حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ اور یہ سب کچھ کر چکنے کے بعد مولوی منظور احمد چنیوٹی جیسے اشد ترین معاندینِ احمدیت ایک بار پھر جھوٹی خوش فہمیوں میں مبتلا ہو کر یہ راگ الاپنے لگے کہ

"قادیانیوں سے متعلق صدر ضیاء الحق کا حالیہ آرڈی نینس ایک تاریخ ساز اور جرأتمندانہ اقدام ہے..... جو قادیانیت کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوگا۔"

(روزنامہ جنگ ۹ جون ۱۹۸۴ء)

مگر عملاً خدائے قادر و توانا نے اپنی سُنّتِ مستمرہ کے مطابق معاندینِ احمدیت کی ان جھوٹی اور عارضی خوشیوں کو کس بُری طرح سے پامال کیا اور ان تمام تر ناپاک تدبیروں کے مقابلہ میں جماعتِ احمدیہ کو شاہراہِ غلبۂ اسلام پر کیسے کیسے عظیم سنگِ میل نصب کرنے کی توفیق عطا فرمائی؟ اس ایمان افروز طویل داستان کا اجمالی خاکہ ہمارے قارئین کے لئے یقیناً ازدیادِ ایمان کا موجب ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیے:-

- گزشتہ صرف ڈیڑھ دو سال کے مختصر سے عرصہ میں جماعتِ احمدیہ کو برطانیہ، گلاسگو، ہالینڈ، فرانس، بیلجیم، مغربی جرمنی، امریکہ، آسٹریلیا، آئیوری کوسٹ، یوگنڈا، گیمبیا، سنگاپور اور بھارت میں کروڑہا روپے کی لاگت سے بحیثیتِ مجموعی قریباً ۶۰ ایکڑ رقبہ پر مشتمل ۱۸ عظیم الشان عمارتیں خرید کر نئے تبلیغی مراکز قائم کرنے کی توفیق عطا ہوئی۔
- زائرے، زیمبیا، آسٹریلیا، تھائی لینڈ اور برازیل میں پانچ نئے تبلیغی مشن کھولے گئے۔
- اکنافِ عالم میں ہزارہا سعید روحوں کو قبولِ احمدیت کی سعادت ملی۔ جس کے نتیجہ میں ماریطانیا، ٹونگا، روانڈا، برونڈی، زنجبار، موزمبیق، گیمبیا، سیرالیون، جزائر شرق الہند اور بھارت میں ساٹھ سے زائد نئی جماعتیں معرضِ وجود میں آئیں۔
- سورینام، لائبیریا، غانا، نائیجیریا، سیرالیون، انڈونیشیا، یوگنڈا، کینیا اور سنگاپور میں ۲۳ نئی مساجد تعمیر کی گئیں۔
- امام ہمام ایدہ اللہ الودود نے یورپ میں نئے تبلیغی مراکز کے قیام، لٹریچر کی روز افزوں ضروریات کے پیشِ نظر کمپیوٹرائزڈ ٹائپ رائٹر خرید کئے جانے اور ہندوستان کے طول و عرض بالخصوص مضافاتِ قادیان میں تبلیغی سرگرمیوں کو تیز تر کرنے کے لئے چار بابرکت مالی تحریکات جاری فرمائیں اور مخلصینِ جماعت نے ان چاروں تحریکات پر والہانہ لبیک کہتے ہوئے مقررہ ٹارگٹ سے کہیں بڑھ کر قریباً ساڑھے تین کروڑ روپے کی مجموعی مالی قربانی پیش کی۔
- ۸۵-۱۹۸۴ء کے لئے صدر انجمن احمدیہ، انجمن وقفِ جدید اور انجمن تحریکِ جدید کے منظور شدہ مجموعی بجٹ کے مقابلہ میں مبلغ ۲۰،۸۷،۰۰۰/- روپے کی وصولی ہوئی اور سالِ رواں کے لئے ان تینوں انجمنوں کا مجموعی بجٹ آمد و خرچ مبلغ ۱۴۰-۶۹-۱۹۳/- روپے منظور کیا گیا۔ واضح رہے کہ ان میزانیوں میں دوسری تمام طوعی تحریکات، ذیلی تنظیموں اور بیرونی مشنوں کے بجٹ آمد و خرچ شامل نہیں۔
- جماعتِ احمدیہ امریکہ کی مجلسِ شوریٰ نے ۸۶-۱۹۸۵ء کے لئے سات لاکھ دس ہزار ڈالر یعنی قریباً پچاسی لاکھ روپے کا بجٹ آمد و خرچ منظور کیا۔
- نائیجیریا اور تنزانیہ میں زراعتی فارموں کے لئے ایک ایک ہزار ایکڑ زمین خریدی گئی۔
- جماعتِ احمدیہ کینیڈا نے جدید تکنیک کو بروئے کار لانے کے لئے رنگین MONITOR اور ٹائپ رائٹر سمیت کمپیوٹر خرید کیا۔
- انڈونیشیا میں ۷½ ایکڑ رقبہ پر ایک عظیم الشان تعمیری منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا گیا۔
- نجی میں نیبریس کے مقام پر ایک نیا سکول جاری ہوا۔ نیز اسلام آباد (لندن) میں پہلے احمدیہ سمر سکول کا اجراء عمل میں آیا۔
- افریقہ کے ایک نو احمدی چیف نے جماعت کو ۵۰ ایکڑ زمین عطیہ دی جس پر لاکھوں روپے کی لاگت سے تعمیر کا کام عنقریب پایۂ تکمیل کو پہنچنے والا ہے۔ اسی طرح امریکہ کے سات مقامات پر مخلصینِ جماعت نے بحیثیتِ مجموعی قریباً ۸۰ ایکڑ رقبہ پر مشتمل ۱۲ قیمتی پلاٹ بطور عطیہ دیئے۔
- ربوہ میں دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کی پُرانی عمارت کی جگہ نئی طرز کی عالیشان عمارت کی تعمیر شروع ہوئی۔

(باقی دیکھیئے صفحہ ۳۰ پر)

اخبارِ احمدیہ

قادیان ۱۵ فتح (دسمبر)۔ سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے بارہ میں ہفتہ زیرِ اشاعت کے دوران لندن سے بذریعہ ڈاک ملنے والی اطلاع مظہر ہے کہ

"حضور پُر نور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخیر و عافیت ہیں۔" الحمد للہ۔

احباب کرام اپنے محبوب آقا کی صحت و سلامتی اور مقاصدِ عالیہ میں فائز المرامی کے لئے التزام سے دعائیں جاری رکھیں۔

- مقامی طور پر محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر جماعت احمدیہ قادیان مع محترمہ سیدہ بیگم صاحبہ اور جملہ درویشانِ کرام بفضل اللہ تعالیٰ خیریت سے ہیں۔ ثم الحمد للہ۔
- محترم مولانا شریف احمد صاحب امینی، حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی کی تعمیل میں ایک سال اور دو ماہ کا عرصہ بحیثیت مبشرِ اسلام بیرونِ ملک نمایاں خدمت بجا لانے کے بعد مورخہ ۱۴/۱۲/۸۵ کی صبح قریباً ۹½ بجے بخیر و عافیت مرکزِ سلسلہ میں واپس تشریف لائے۔ محترم حضرت امیر صاحب مقامی کی معیت میں احباب نے پُر جوش اسلامی نعروں کے ساتھ آپ کا شایانِ شان استقبال کیا اور پھولوں کے ہار پہنائے۔

ملک صلاح الدین ایم۔ اے پرنٹر و پبلشر نے فضل عمر پرنٹنگ پریس قادیان میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر قادیان سے شائع کیا۔ پروپرائیٹر: صدر انجمن احمدیہ قادیان

تربیتِ باطنی اور تکمیلِ رُوحانی کے لئے اِبتلاء کا وارِد ہونا ضروری ہے

اللہ جلشانہٗ جس پودے کو اپنے ہاتھ سے لگاتا ہے اُس کی شاخ تراشی اِس غرض سے نہیں کرتا کہ اُس کو نابود کر دیوے

بلکہ اِس غرض سے کرتا ہے کہ تا وہ پودا پھول اور پھل زیادہ لاوے اور اُس کے برگ اور بار میں برکت ہو!!

اِرشادات عالیہ سیدنا حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

"اِبتلاء جو اوائل حال میں انبیاءؑ اور اولیاءؒ پر نازل ہوتا ہے اور باوجود عزیز ہونے کے ذِلّت کی صُورت میں اُن کو ظاہر کرتا ہے اور باوجود مقبول ہونے کے کچھ مردُود سا کر کے اُن کو دِکھاتا ہے یہ اِبتلاء اس لئے نازل نہیں ہوتا کہ اُن کو ذلیل اور خوار اور تباہ کرے یا صفحۂ عالَم سے اُن کا نام و نشان مٹا دیوے کیونکہ یہ تو ہرگز ممکن ہی نہیں کہ خُداوند عزّوجلّ اپنے پیار کرنے والوں سے دُشمنی کرنے لگے اور اپنے سچے اور وفادار عاشقوں کو ذِلّت کے ساتھ ہلاک کر ڈالے بلکہ حقیقت میں وہ ابتلاء کہ جو شیر ببّر کی طرح اور سخت تاریکی کی مانند نازل ہوتا ہے اِس لئے نازل ہوتا ہے کہ تا اس برگزیدہ قوم کو قبولیت کے بلند مینار تک پہنچا دے اور الٰہی معارف کے باریک دقیقے اُن کو سکھاوے۔ یہی سُنّت اللہ ہے جو قدیم سے خُدا تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے ساتھ استعمال کرتا چلا آیا ہے۔ زبور میں حضرت داؤدؑ کی ابتلائی حالت میں عاجزانہ نعرے اِس سُنّت کو ظاہر کرتے ہیں اور انجیل میں آزمائش کے وقت میں حضرت مسیحؑ کی غریبانہ تضرعات اسی عادت اللہ پر دال ہیں۔ اور قرآن شریف اور احادیثِ نبویہ میں جناب فخر الرسلؐ کی عبودیت سے ملی ہُوئی ابتہالات اسی قانونِ قُدرت کی تصریح کرتے ہیں۔ اگر یہ ابتلاء درمیان میں نہ ہوتا تو انبیاءؑ اور اولیاءؒ اِن مدارجِ عالیہ کو ہرگز نہ پا سکتے کہ جو ابتلاء کی برکت سے انہوں نے پا لئے۔ ابتلاء نے اُن کی کامل وفاداری اور مُستقل اِرادے اور جانفشانی کی عادت پر مُہر لگا دی۔ اور ثابت کر دکھایا کہ وہ آزمائش کے زلازل کے وقت کس اعلیٰ درجہ کا استقلال رکھتے ہیں اور کیسے سچے وفادار اور عاشق صادق ہیں کہ اُن پر آندھیاں چلیں اور سخت سخت تاریکیاں آئیں اور بڑے بڑے زلزلے اُن پر وارد ہُوئے اور وہ ذلیل کئے گئے اور جھوٹوں اور مکّاروں اور بے عزّتوں میں شمار کئے گئے۔ اور اکیلے اور تنہا چھوڑے گئے۔ یہاں تک کہ ربّانی مددوں نے بھی جن کا اُن کو بڑا بھروسہ تھا کچھ مُدّت تک مُنہ چھپا لیا اور خُدا تعالیٰ نے اپنی مُربیانہ عادت کو بہ یکبارگی کچھ ایسا بدل دیا کہ جیسے کوئی سخت ناراض ہوتا ہے اور ایسا اُنہیں تنگی و تکلیف میں چھوڑ دیا کہ گویا وہ سخت موردِ غضب ہیں۔ اور اپنے تئیں ایسا خُشک سا دِکھلایا کہ گویا وہ اُن پر ذرا مہربان نہیں۔ بلکہ اُن کے دُشمنوں پر مہربان ہے اور اُن کے اِبتلاؤں کا سلسلہ بہت طول کھینچ گیا۔ ایک کے ختم ہونے پر دُوسرا اور دُوسرے کے ختم ہونے پر تیسرا ابتلاء نازل ہُوا۔ غرض جیسے بارش سخت تاریک رات میں نہایت شدّت و سختی سے نازل ہوتی ہے ایسا ہی آزمائشوں کی بارشیں اُن پر ہُوئیں۔ پر وہ اپنے پکّے اور مضبوط اِرادہ سے باز نہ آئے۔ اور سُست اور شکستہ دِل نہ ہوئے۔ بلکہ جتنا مصائب و شدائد کا بار اُن پر پڑتا گیا اُتنا ہی اُنہوں نے آگے قدم بڑھایا۔ اور جس قدر وہ توڑے گئے اسی قدر وہ مضبُوط ہوتے گئے۔ اور جس قدر اُنہیں مشکلاتِ راہ کا خوف دِلایا گیا اُن کی ہمّت بلند اور شجاعتِ ذاتی جوش میں آتی گئی۔ بالآخر وہ اُن تمام امتحانات سے اوّل درجہ کے پاس یافتہ ہو کر نکلے اور اپنے کامل صدق کی برکت سے پُورے طور پر کامیاب ہو گئے۔ اور عزّت اور حُرمت کا تاج اُن کے سر پر رکھا گیا۔ اور تمام اعتراضات نادانوں کے ایسے حُباب کی طرح معدُوم ہو گئے کہ گویا وہ کچھ بھی نہیں تھے۔ غرض انبیاءؑ و اولیاءؒ ابتلاء سے خالی نہیں ہوتے۔ بلکہ سب سے بڑھ کر اُنہیں پر ابتلاء نازل ہوتے ہیں۔ اور اُنہیں کی قوّتِ ایمانی اُن آزمائشوں کی برداشت بھی کرتی ہے۔ عوام الناس جیسے خُدا تعالیٰ کو شناخت نہیں کر سکتے ویسے اُس کے خالص بندوں کی شناخت سے بھی قاصر ہیں۔ بالخصوص اُن محبُوبانِ الٰہی کی آزمائش کے وقتوں میں تو عوام الناس بڑے بڑے دھوکوں میں پڑ جاتے ہیں۔ گویا ڈوب ہی جاتے ہیں۔ اور اتنا صبر نہیں کر سکتے کہ اُن کے انجام کے منتظر رہیں۔ عوام کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ جلشانہٗ جس پودے کو اپنے ہاتھ سے لگاتا ہے اُس کی شاخ تراشی اِس غرض سے نہیں کرتا کہ اُس کو نابود کر دیوے۔ بلکہ اِس غرض سے کرتا ہے کہ تا وہ پودا پھول اور پھل زیادہ لاوے۔ اور اُس کے برگ اور بار میں برکت ہو۔ پس خلاصۂ کلام یہ کہ انبیاءؑ اور اولیاءؒ کی تربیتِ باطنی اور تکمیلِ رُوحانی کے لئے ابتلاء کا اُن پر وارد ہونا ضروریات سے ہے۔ اور ابتلاء اُس قوم کے لئے ایسا لازم حال ہے کہ گویا اُن ربّانی سپاہیوں کی ایک رُوحانی وردی ہے جس سے یہ شناخت کئے جاتے ہیں۔ اور جس شخص کو اِس سُنّت کے برخلاف کوئی کامیابی ہو وہ استدراج ہے نہ کامیابی۔"

(اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۱ صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۴)

خطبہ جمعہ

جب تک اسلام سپین میں پہلے سے بڑھ کر شان کے ساتھ دوبارہ زندہ نہیں ہوتا ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے

ہم تو اُس آقا کے غلام ہیں جس نے بیابان میں یہ عجیب ماجرا دکھایا تھا کہ ہزاروں سال کے مُردوں کو زندہ کر دیا تھا

آج بھی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ احیائے موتیٰ کے صدقے ہم اس مُردہ سپین کو دوبارہ زندہ کریں گے!!

یورپین مشنز کے انتہائی کامیاب اور بابرکت دورے سے مراجعت کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا بصیرت افروز خطبہ جمعہ

فرمودہ ۱۸ اخاء (اکتوبر) ۱۳۶۴ ہش / ۱۹۸۵ء بمقام مسجد فضل لندن

سیدنا حضرت اقدس امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا یہ بصیرت افروز اور رُوح پرور خطبہ جمعہ کیسٹ کی مدد سے احاطۂ تحریر میں لاکر ادارہ بدر اپنی ذمہ داری پر ھدیۂ قارئین کر رہا ہے ——— (ایڈیٹر)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

یورپ کا یہ سفر جو ابھی ہم نے اختیار کیا تقریباً ایک مہینے اور چار دن کا سفر تھا. اور یہ تمام عرصہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بہت ہی مصروفیات میں کٹا۔ یہ سفر مصروف بھی بہت رہا۔ اور کئی لحاظ سے خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کے احسان کے ساتھ مفید بھی بہت ثابت ہوا۔ اس سفر کے دوران خدا تعالیٰ کے فضل اور احسان کے نتیجہ میں

پانچ نئے مراکز

کے افتتاح کی توفیق ملی۔ جن میں سے آخری مرکز جس کا افتتاح کیا گیا وہ فرانس کا تھا۔ اس سے پہلے تو یہی ارادہ تھا کہ فرانس میں انگلستان کی جماعت کو خصوصیت سے شمولیت کی عام دعوت دی جائے۔ اور اس کے لئے دعوت اغلباً دی بھی گئی اور تیاریاں بھی بہت ہو چکی تھیں۔ لیکن ہم سپین میں ہی تھے تو معلوم ہوا کہ وہاں ابھی تیاری مکمل نہیں۔ اور جس جگہ مشن کھولا جا رہا ہے وہاں کے ڈپٹی میئر کا رویہ بھی معاندانہ ہے۔ اور اس مشن کو وہ آسانی سے قبول نہیں کر رہے۔ اس لئے ان حالات میں بہتر ہے کہ تقریب یا تو نہ کی جائے یا مختصر کی جائے۔ چنانچہ نہ کرنے کا تو کوئی سوال نہیں تھا۔ اس لئے میں نے کہا کہ فرانس کی جماعت کے جو دوست ہوں گے ان کے ساتھ مل بیٹھ کے ہم دُعا کے ذریعے افتتاح کر دیں گے۔ اور رفتہ رفتہ جب اُن لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ہم کیسے ہیں؟ کیسا اخلاق رکھتے ہیں؟ تو اُن کے دل جیتنے کے بعد پھر آہستہ آہستہ کیفیت بدل جائے گی۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ فرانس کے ساتھ احمدیت کا جو پہلا رابطہ ہوا ہے وہ بھی کوئی ایسا خوش کُن نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوا۔ یہ ۱۹۴۶ء کی بات ہے جب حضرت مصلح موعودؓ نے یورپ میں جنگ کے بعد نئے مشن ہاؤسز، نئی مساجد کی تعمیر کا پروگرام بنایا اور اُسی سال سے نافذ العمل کرنا شروع کر دیا۔ اور اُس میں فرانس بھی تھا۔ اور ۱۹۴۶ء میں اگرچہ کرائے کا مکان تھا، باقاعدہ کوئی عمارت تو نہیں خریدی جا سکی اور مسجد کی زمین بھی نہیں لی گئی۔ لیکن سپین کی طرح یہاں بھی مبلغ بھجوا دیئے گئے تھے جو تقریباً پانچ سال پیرس میں ٹھہرے ہیں۔ اور ان کی رپورٹوں سے یہی تاثر لیا گیا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے بعض دفعہ خطبوں میں بھی ذکر فرمایا کہ

فرانس کی زمین سرِدست اسلام کیلئے سنگلاخ معلوم ہوتی ہے

اور اس قوم کے رویے میں تکبر پایا جاتا ہے۔ اور پیرس خصوصیت کے ساتھ چونکہ ساری دُنیا کی عیاشی کا مرکز ہے، اس لئے وہاں مادہ پرستی اور دُنیا سے محبت کا جو رنگ ہے وہ یورپ کے دوسرے شہروں میں نہیں ملتا۔ تو پانچ سال کے تجربے کے بعد وہ مشن بند کر دیا گیا۔

اس دفعہ بھی ہمارا تجربہ یہی رہا کہ فرانس میں خصوصیت کے ساتھ پیرس، کیونکہ جب میں فرانس کہتا ہوں تو فرانس تو ایک وسیع ملک ہے۔ اور اس کے مختلف خطوں کے لوگ مختلف مزاج رکھتے ہیں۔ اس لئے میں سارے فرانس کے متعلق کوئی فتویٰ نہیں دینا چاہتا۔ لیکن پیرس خصوصیت کے ساتھ ایک ایسی جگہ ہے جہاں ابھی بھی وہی دُنیا پرستی کا رنگ غیر معمولی طور پر غالب ہے۔ اور اہلِ فرانس کے مزاج کو اگر پیرس کے پیمانے سے ماپا جائے تو آج بھی یہی فیصلہ ہوگا کہ نہایت متکبر ہیں۔ اور دُنیا پرست ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ پیمانہ درست نہیں۔ نہ لندن سے انگریز کا مزاج پہچانا جا سکتا ہے، نہ پیرس سے اہلِ فرانس کا مزاج پہچانا جا سکتا ہے۔ ساؤتھ آف فرانس (SOUTH OF FRANCE) میں جہاں جہاں سے ہم گزرے ہیں وہاں بالکل اَور قسم کے لوگ ہم نے دیکھے، بڑے خلیق اور مہمان نواز اور ہنس مکھ۔ باہر سے آنے والوں کا کھلے بازوؤں سے استقبال کرنے والے۔ رنگ بالکل مختلف تھے اُن کے۔ لیکن پیرس میں بالکل ایک اَور رنگ نظر آیا۔

بہرحال اس مشن کا افتتاح ہوا۔ دُعاؤں کے ساتھ اور پُرسوز دُعاؤں کے ساتھ اور جماعتِ فرانس کی کافی تعداد وہاں خدا کے فضل سے موجود تھی۔ اور

جماعتِ فرانس کو ایک مرکز مل گیا ہے

اور اُمید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہاں سے دن بدن احمدیت کا نور زیادہ شان کے ساتھ زیادہ وسعت کے ساتھ اور جہاں تک دلوں کا تعلق ہے زیادہ گہرائی کے ساتھ ہر طرف منتشر ہونے لگے گا۔

فرانس کا کچھ اتنا قصور بھی نہیں۔ کیونکہ فرانس تعارف کے لحاظ سے ابھی بہت پیچھے ہے۔ عجیب اتفاق ہوا کہ فرانس اور فرانس کی جو کالونیز (COLONIES) تھیں ان سب جگہ میں احمدیت کا تعارف بہت دیر میں شروع ہوا۔ افریقہ میں بھی جہاں جہاں فرانس کی حکومت تھی، فرانس کا رسوخ تھا وہاں جماعتی تعارف بہت لیٹ (LATE) شروع ہوا ہے۔ تو ان سب چیزوں کا اثر پڑتا ہے۔ اُن کو پوری طرح علم نہیں کہ جماعت احمدیہ ہے کیا؟ اُن کو ہماری عالمی حیثیت کا ہی پتہ کچھ نہیں۔ اس لئے وقت لگے گا۔ لیکن بہرحال مجھے تو اس تجربے سے جو اہلِ فرانس کی آواز آئی ہے وہ یہ ہے کہ ؎

بہرا ہوں میں تو چاہیئے دُونا ہو التفات
سُنتا نہیں ہوں بات مکرّر کہے بغیر

کہ مَیں بہرا ہوں تو مجھے چھوڑ تو نہیں دو گے ؟ ذرا اور اُونچی آواز میں اور بار بار مجھے آواز پہنچاؤ۔ چنانچہ مَیں نے وہاں افتتاح کے وقت اپنے اس ردِّ عمل کا اظہار یوں کیا کہ جہاں تک

جماعت احمدیہ کا ردِّ عمل

ہے وہ تو یہ ہے کہ اب ایک نہیں، فرانس میں دو مرکز بنائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ فوری طور پر۔ اور یہ تو ایک مکان لیا گیا ہے۔ بڑا اچھا وسیع مکان ہے۔ بہت کُشادہ کمرے ہیں۔ اور جماعت کی آئندہ ضروریات کے لئے کچھ عرصے تک انشاء اللہ بہت حد تک کفیل رہے گا۔ لیکن اب خیال یہ ہے کہ یا پیرس کے گرد و نواح میں یا جنوبی فرانس میں جہاں لوگوں کے اخلاق بہتر معلوم ہوئے ہیں، وہاں ایک وسیع خطۂ زمین لے کر وہاں نہایت خوبصورت عظیم الشان مسجد بنائی جائے۔ اور مسجد کے ساتھ پھر مشن ہاؤس بھی قائم کیا جائے۔ تو ہم تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ لوگ نہیں ہیں جن کے خمیر میں مایوسی پائی جاتی ہو۔ یا شکست لکھی گئی ہو۔ ہم تو انشاء اللہ تعالیٰ اہلِ فرانس کو بہرحال فتح کریں گے۔ اور اُن کے دل جیتیں گے۔ کیونکہ فرانس کو ایک عالمی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے اثرات دُنیا میں اور بھی بہت سے مُلکوں اور قوموں پر پڑتے ہیں۔ اگر فرانس میں احمدیت کا مشن مضبوط ہو جائے تو کثرت کے ساتھ دُنیا میں فرانسیسی بولنے والے علاقے ہیں جہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے نفوذ کی راہیں نکل آئیں گی۔ اس لئے یہ غیر معمولی اہمیت کا علاقہ ہے۔ اِسے ہم چھوڑیں گے بہرحال نہیں۔ اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر اس زمانے میں

غیر معمولی مالی مشکلات اور بعض دوسری دقتیں

درپیش نہ ہوتیں تو حضرت مُصلح موعودؓ بھی اِس مشن کو بند نہ کرتے۔ مگر باہر سے ڈیمانڈ (DIMAND) دُوسرے ممالک سے طلب شروع ہو چکی تھی۔ اور واقفین بھی تھوڑے تھے۔ اور اس زمانے میں جماعت کی مالی حالت بھی ایسی نہیں تھی کہ ہر قسم کے پھیلتے ہوئے مطالبوں کو پورا کر سکے۔ اس لئے وہ لازماً حضرت مُصلح موعودؓ کے مزاج کو مَیں سمجھتا ہوں، کبھی ہو نہیں سکتا کہ آپ نے مایوسی کی حالت میں مشن بند کیا ہو۔ یقینی طور پر اس ارادے کے ساتھ بند کیا ہوگا کہ بعد میں جب بھی خدا توفیق دے گا ہم انشاء اللہ دوبارہ بڑی زور کے ساتھ اس کام کو شروع کریں گے۔ تو اس کام کو دوبارہ شروع کرنے کا خدا کے فضل سے اِس دَور سے میں آغاز ہو چکا ہے۔ باقی احباب جماعت دُعائیں کریں تو اللہ تعالیٰ دلوں کو بدلنے والا ہے۔ اور فرانس کی سرزمین کو جو طلب پیدا ہو چکی ہے عملاً اسلام کی، اس کے دُوسرے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس لئے مَیں سمجھتا ہُوں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم دوبارہ اب پُورے زور کے ساتھ یہاں کوشش کریں۔ اور دُعا کی مدد سے انشاء اللہ تعالیٰ ہم کامیاب ہوں گے۔

اِس سفر میں پانچ نو مراکز کا افتتاح کرنے کی توفیق ملی۔ اور

چار جگہ نئی زمینیں دیکھی گئیں

جہاں سَودا ہو رہا ہے۔ اور اُمید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہاں بھی اس سال کے اندر یا اس سال کے آخر تک زمینیں خرید لیں گے۔ اور ہو سکتا ہے آئندہ سال ہم وہاں باقاعدہ مشنوں کی تعمیر کا کام بھی شروع کر دیں۔

ایک جرمنی کے شمال میں ہمبرگ میں ہمارا مشن بہت چھوٹا ہو چکا تھا وہاں، خُدا کے فضل سے ایک بہت ہی اعلیٰ وسیع ٹکڑا زمین کا مل رہا ہے جس علاقے کے میئر نے وی پیشکش کیا ہے کہ میں مساجد میں شامل کراؤں گا کہ مسجد آپ بنا سکتے ہیں۔ دُوسرے تعمیر کی بھی وہاں بڑی وسیع گنجائش موجود ہے یعنی ایسا علاقہ ہے جہاں جرمنی میں پہلے سے ہی تعمیر کی اجازت دی جا چکی ہے۔ ورنہ جرمنی میں زمینوں کا حاصل کرنا جہاں تعمیر کی جا سکے بہت ہی مشکل کام ہے۔ اور اگر آپ اس کے بغیر اجازت کے زمین لے لیں تو سالہا سال کی کوششوں کے بعد بھی بعض دفعہ درخواستیں رد ہو جاتی ہیں۔

دُوسرے جرمنی ہی میں نیورنبرگ کے مقام پر وہاں کچھ ہم نے زمینیں دیکھی تھیں۔ مگر کوئی مناسب حال جگہ ملی نہیں ابھی تک۔ وہاں بھی انشاء اللہ تعالیٰ ایک مسجد اور ایک مشن ہاؤس بنانا ہے۔

سپین میں غرناطہ کے مقام پر بہت کثرت کے ساتھ وہاں طلب ہے۔ اس قدر طلب ہے کہ جس علاقے میں ہم زمین دیکھنے جاتے تھے وہاں

ایک خوشی کی لہر دوڑ جاتی تھی

اور لوگ باتیں کرتے تھے۔ میئر کہتے تھے علاقے والوں کو کہ ہمارے علاقے میں مسجد بنے گی۔ اس قوم کا بالکل برعکس رُجحان ہے فرانس کے مقابل پر۔ اور اخباری نمائندے بھی سوال کرتے تھے۔ بتاؤ کس علاقے کو تم نے چُنا ہے ؟ چنانچہ وہاں متعدد جگہ پہ زمینیں دیکھی گئیں۔ اور ایک دو جگہیں جو پسند آئی ہیں اُن کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔ دونوں بہت ہی آباد شہر کے قریب واقع ہیں۔ وسیع کُشادہ سڑکیں جو بڑے بڑے شہروں کو ملاتی ہیں۔ اور دونوں سڑک پر بالکل اتنی قریب ہیں کہ مسجد بڑی نمایاں طور پر وہاں گزرنے والوں کو نظر آنے گی۔ اور ایک کا رقبہ تو خدا کے فضل سے بارہ ایکڑ سے بھی زائد ہے اور کونے کا پلاٹ ہے۔ جس کے ایک طرف مین روڈ سڑک جاتی ہے۔ ایک طرف چھوٹی سڑک جاتی ہے۔ وہاں جب ہم گئے تو وہاں بھی ایک ہنگامہ ہو گیا۔ لوگ اکٹھے ہونے شروع ہو گئے۔ لٹریچر مانگ کے لینے لگے۔ یہاں تک کہ میر محمود احمد صاحب جو ساتھ تھے انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس تو اب ختم ہو گیا ہے لیکن مطالبہ جاری تھا۔ تو ایک شوق ایک طلب عموماً سپین میں پائی جاتی ہے۔ جس کا اس زمین کی خرید کے موقعے پر بھی مشاہدہ کیا۔

سپین کا دورہ

کئی لحاظ سے خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت کامیاب بھی رہا۔ اور کئی لحاظ سے نہایت دل پر غم کے اثرات چھوڑنے والا تھا۔ اور بہت ہی مشکل تجربہ تھا سپین میں رہنا۔ کیونکہ مَیں نے جیسا کہ سپین کے خطبے میں بھی ذکر کیا ہے، کثرت سے ایسے گرجے وہاں پائے جاتے ہیں جو کسی زمانے میں مسجدیں ہوا کرتی تھیں۔ اور کوئی خدا کا نام لینے والا اب اُن میں باقی نہیں۔ اس کثرت سے کہ بعض شہروں میں جب پُوچھا گیا کہ کوئی مسجد یہاں پُرانی ہے کہ نہیں، تو اُنہوں نے کہا جس گرجے میں جاؤ وہ مسجد تھی اور جب ہمارے مشنری نے جا کے دیکھا تو پتہ لگا کہ واقعتاً وہ صحیح کہہ رہے تھے۔ جس گرجے میں وہ گئے وہاں پُرانی مساجد کے آثار ملتے تھے۔ ابھی تک بعض جگہ کلمۂ توحید لکھا ہوا نظر آتا تھا۔ بعض جگہ یہ تختیاں لگی ہوئی تھیں کہ فلاں بزرگ آئے تھے، فلاں بادشاہ یہاں آئے تھے۔

تو خوشکن تو اِس لحاظ سے ہے کہ اہلِ سپین احمدیت کا ہمیشہ ہی خُدا کے فضل سے کھلے بازوؤں سے استقبال کرتے ہیں۔ لیکن دُوسری جو فضا ہے وہ اس طرح یادوں پہ اثر ڈالتی ہے کہ گہرے غم کے سائے میں انسان چلا جاتا ہے۔ اور ایسا غم نہیں جو مایوس کُن ہو۔ ایسا غم ہے جو زیادہ انگیخت کرتا ہے۔

زخموں کو زندہ کرنے والا غم

ہے یہ چھیڑتا ہے اُن زخموں کو جن کے نتیجے میں پھر ارادے کُھلتے ہیں۔ لیکن ان اثرات کے جو نتائج ہیں ان کے متعلق میں پھر آخر پہ بات کروں گا۔ اِس وقت تو مَیں یہ بتاتا ہوں کہ وہاں دو جگہ ہماری بڑی تقریبات تھیں۔ ایک تو پیڈرو آباد کے اندر اُس سارے علاقے کے لئے۔ اور ایک غرناطہ میں۔ میڈرڈ ہم اس دفعہ نہیں جا سکے۔ اگرچہ وہاں بھی مشن موجود ہے لیکن سفر کے دوران وہ ایک رستے پہ رہتا تھا۔ اور وقت کی کمی تھی وہاں سے لازماً ہمیں مجبوراً کاٹنا پڑا میڈرڈ کو اپنے پروگراموں سے۔

پیڈرو آباد میں جو تقریب ہوئی ہے اس میں خدا تعالیٰ کے فضل سے مقامی باشندوں کی اتنی حاضری تھی کہ میرا تاثر بھی یہی تھا اور میر صاحب کا بھی یہی تاثر تھا کہ افتتاحی تقریب پہ جو باہر سے آنے والے احمدی مہمان تھے اگر اُن کو نکال دیا جائے تو سپینش باشندوں کی شمولیت اس میں اُن سے زیادہ تھی۔ دو ہزار کُرسیوں کا انتظام تھا جن میں سے ایک سو پچیس سیٹیں تو وہاں، وہ خالی رہیں۔ باقی اُنیس سو کرسیاں بھر گئیں۔ اور برآمدہ بڑا وسیع ہے، اس میں لوگ بھرے ہوئے تھے اور اس کے علاوہ بھی پھرنے والے موجود تھے۔ تو خدا تعالیٰ کے فضل سے

دو ہزار سے زائد سپینش مہمان

آئے ہوئے تھے۔ اور تقریب اس دفعہ کچھ مختلف رنگ کی تھی۔ اس تقریب میں عوام الناس کے علاوہ خواص کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ اور یہ صرف مقامی جلسہ نہیں تھا بلکہ سپین کے خواص کی نمائندگی بھی گزشتہ مرتبہ کے مقابل پر زیادہ تھی۔

چنانچہ AMERICAN COUNCILATE اور اُن کے ساتھی اور AOUSTIAN اور سپینش گورنمنٹ کے نمائندہ اور بھی اس قسم کے معززین اور دانشور اور پریس کے نمائندے ان کے چوٹی کے جو اخبارات ہیں اُن کے نمائندے، ریڈیو، ٹیلی ویژن کے نمائندے یہ سارے موجود تھے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو سپین والوں نے حسنِ سلوک کیا ہے پہلے آج بھی اسی طرح جاری ہے۔ اور باوجود اس کے کہ وہ خوب اچھی طرح جان چکے ہیں، بارہا یہ اخبارات میں بات چھپ چکی ہے کہ جماعتِ احمدیہ کو پاکستان میں غیر مسلم سمجھا جا رہا ہے اور کثرت سے یہ پروپیگنڈہ کیا گیا ہے بعض حکومتوں کی طرف سے کہ احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھو، اُن سے کوئی تعلق نہ رکھو، ہم بتاتے ہیں تمہیں کہ اُن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اس کوشش کے باوجود خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی طرف اُن کا رجحان پہلے سے بھی بڑھ کر ہے خدا کے فضل سے۔

دوسرا اس تقریب میں نمایاں جو فرق تھا وہ یہ تھا کہ بجائے اس کے کہ ایک لمبی تقریر کی جاتی نہایت مختصر الفاظ میں مَیں نے اُن کو دعوت دی، خوش آمدید کہا۔ اور ان کو موقعہ دیا کہ وہ جس قسم کے سوال اسلام پر یا اپنے مسائل پر کرنا چاہتے ہیں کریں۔ چنانچہ اس پہلو سے

یہ تقریب خُدا کے فضل سے بہت ہی پُر لطف اور بھرپور رہی

کثرت سے دوستوں کی طرف سے پھر سوال شروع ہوئے کہ آخر پر پھر مجھے خود ہی روکنا پڑا۔ کیونکہ ان مہمانوں کی چائے سے تواضع بھی کرنی تھی۔ بعض ایسے معزز مہمان تھے جو معین وقت کو مدِنظر رکھ کر آئے تھے۔ اور انہوں نے اپنی دُوسری تقریبات میں بھی حصہ لینا تھا جا کر۔

بہرحال اگرچہ وقت زیادہ بھی ہو گیا تھا۔ لیکن یہ سارے لوگ ٹھہرے رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی نہیں گیا۔ بعضوں نے جلسے میں شمولیت سے معذرت کی آخر پر چند ایک نے۔ کیونکہ اُن کو پہلے ہی بہت دیر ہو چکی تھی مگر تقریب کے دوران خُدا کے فضل سے تمام احباب مرد، عورتیں، بچے پوری طرح توجہ کے ساتھ بیٹھے رہے۔ اور بعض مواقع پر تو بڑی نمایاں انہوں نے RES-PONSE دی ہے۔ یعنی اُن کا طریق ہے تالیاں بجانے کا، تو تالیاں بجا کر بھی اور پھر کھڑے ہو کر تالیاں بجا کے بڑے جوش کے اظہار کے ساتھ انہوں نے اپنی محبت کا اپنے رنگ میں اظہار کیا۔

وہاں اخبارات کی نمائندگی کے علاوہ ریڈیو، مختلف قسم کے ریڈیو سٹیشن ہیں جن کی طرف سے بار بار ٹیلیفون پر میر صاحب کو بلایا جاتا تھا کہ رننگ کومنٹری (RUNNING COMMENTRY) کرو۔ ہمیں بتاؤ کیا ہو رہا ہے۔ اور کیوں آئے ہیں؟ کون آئے ہیں؟ کیا مقصد ہے؟ اور کہتے تھے کہ ہم تو فون پر باتیں کر رہے ہیں یہ براہِ راست نشر ہو رہی ہیں۔ چنانچہ متعدد مرتبہ پانچ یا چھ مرتبہ اسی دوران میں میر صاحب کو بار بار توجہ دینی پڑی۔ اور کئی ریڈیو سٹیشنز ہیں ان کا لائیو انٹرویو (LIVE INTERVIEW) نشر کیا۔ اور ریڈیو، ٹیلی ویژن جو ہم سے خبریں لے کر گئے تھے یہ تو بعد میں نشر کرنی تھیں انہوں نے، بہرحال لائیو پروگرام یہاں سے ممکن نہیں تھا۔

اخبارات کی RESPONSE بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت اچھی، کیونکہ جو شائع ہوئی ہے وہ میر صاحب نے دکھایا تھا جو اخبار وہ خُدا کے فضل سے بہت ہی اچھا COVERAGE تھا۔ لیکن وہ بتا رہے تھے کہ بعد میں ہم اکٹھا کر کے انشاء اللہ تراجم کر کے بھیجیں گے۔

غرناطہ میں جو تقریب تھی یہ عوامی دعوت کی تقریب نہیں تھی۔ کیونکہ اُن کو تاکید کی گئی تھی کہ ہوٹل میں یہاں کے دانشوروں کو بلایا جائے اور یونیورسٹیوں کے نمائندہ اور شاعر اور آرٹسٹ اور طلباء ہر قسم کے اور دیگر دانشور جو کہلاتے ہیں زیادہ تر ان لوگوں کو بلایا جائے تاکہ اُن کو اسلام کے متعلق سوال جواب کا موقعہ ملے۔ چنانچہ خدا کے فضل سے یہ تقریب بھی بڑی بھرپور رہی۔ اور اس میں تو اتنی دیر لگ گئی کہ جو چائے کا وقت تھا وہ گزر کر کھانے کے وقت میں تبدیل ہو گیا۔ اور پھر بھی ابھی سوال باقی تھے۔ پھر مَیں نے اُن سے کہا کہ اب ہم مجبور ہیں۔ بعض دوست بیچاروں کو جانا ہو گا۔ اس لئے چائے پہ چلتے ہیں

چنانچہ چائے اور کافی کے بعد کیونکہ بعض دوستوں کو طلب تھی اس لئے مَیں نے اُن سے دوبارہ کہہ دیا کہ اگر کوئی دوست ٹھہرنا چاہتے ہیں، کسی کے سوال رہ گئے ہیں تو بے شک آجائیں دوبارہ۔ چنانچہ بہت سے دانشور اُن میں تشریف لے آئے اور

اُنہوں نے ایک شکوہ کیا

کہ آپ نے بیچ میں اخباری نمائندوں کو اور ریڈیو کے نمائندوں کو کیوں بُلا لیا۔ اُن کی وجہ سے ہماری مجلس جم نہیں سکی جس طرح ہم چاہتے تھے۔ کیونکہ اُن کو اپنے کاموں کی جلدی ہوتی ہے، اُن کے سوال اَور قسم کے ہوتے ہیں۔ ہم تو بڑی سنجیدگی سے آپ سے مختلف گہرے مضامین پر سوال کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک اُن میں شاعر بھی تھے جن کے متعلق ایک دُوسرے سپینش شاعر وہ بھی تشریف لائے ہوئے تھے، انہوں نے بتایا کہ اس وقت یہ سپین کے بہترین شاعر ہیں۔ سارے سپین میں صرف اندلس کے نہیں بلکہ چوٹی کا کلام کہنے والے اور بہت ہی گہرا اثر رکھنے والے تمام بڑی تقریبات میں ان کو خصوصیت سے دعوت دی جاتی ہے، وہ بھی اور بعض دُوسرے دانشور اور طالبِ علم یونیورسٹیوں کے، یہ وہاں بیٹھ گئے۔ اور یہ مجلس بھی رات تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تک یا بارہ بجے کے قریب تک چلتی رہی۔ صبح دُوسرے دن چونکہ ہم نے جانا بھی تھا۔ اور جو دوست بیٹھے ہوئے تھے اُنہوں نے خود بھی کھانا کھانا تھا۔ اس لئے آخر پر پھر اُن سے اجازت لینا پڑی۔ لیکن اُن کے سوالات سے اندازہ ہوا کہ اس وقت

باقی یورپ کی طرح سپین میں بھی دہریت عام ہو رہی ہے

اور مذہب کا جو پہلے خیال تھا، کھوکھلا سا ایک تصور رہتا، اب وہ تصور بھی ٹوٹ رہا ہے۔ چنانچہ جب ایک موقعے پر پیڈرو آباد میں مجھ سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ کے نزدیک رومن کیتھولسزم (CATHOLICISM) اور اسلام میں سے دونوں میں سے کون جیتے گا؟ کس کا مستقبل ہے؟ تو مَیں نے اُن کو جواب یہ دیا کہ رومن کیتھولسزم کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو مر چکا ہے کیونکہ اگر رومن کیتھولسزم کامیاب ہُوا ہوتا تو تمہاری قوم دہریہ نہ ہو رہی ہوتی۔ اگر رومن کیتھولسزم کامیاب ہُوا ہوتا تو ایسی عام بغاوت تمہارے معاشرے کے خلاف، تمہاری فلاسفی کے خلاف نظر نہ آتی جو اس وقت نظر آ رہی ہے۔ تو رومن کیتھولسزم کا تو مقابلے کا سوال نہیں۔ کیونکہ وہ تو تجربے سے ثابت ہو گیا ہے کہ ناکام ہو چکا ہے۔ اور جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ ہم تمہیں بتلاتے ہیں کہ کیوں کامیاب ہو گا خدا کے فضل سے؟

یہ عمومی تاثر تھا جو پیڈرو آباد میں بھی مجھ پر پڑا۔ لیکن غرناطہ میں جا کے چونکہ دانشور لوگ آئے ہوئے تھے، وہاں یہ محسوس ہُوا کہ یہ تو بہت ہی گہرا زہر ہے جو پھیل چکا ہے معاشرے میں۔ اشتراکیت ہی نہیں، اشتراکیت کے سوا بھی خُدا کے خلاف، بغاوت، مذہب کے خلاف بغاوت اور ان

سب قدروں کو پیچھے چھوڑ کر کسی نئی چیز کی تلاش

اور یہ وہ چیز ہے جو احمدیت کے سوا کوئی ان کو دے نہیں سکتا۔ ناممکن ہے۔ کسی کے پاس ہے ہی نہیں۔ اور جس قسم کے سوال وہ کرتے ہیں جو اورتھوڈوکس (ORTHODOX) اسلام کہلاتا ہے آج کل۔ اورتھوڈوکس تو اصل میں ہم ہیں۔ کیونکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے زمانہ ہی سے اسلام شروع ہُوا۔ اور سب سے اورتھوڈوکس وہ زمانہ کہلانا چاہیئے۔ لیکن موجودہ اصطلاح میں جب اورتھوڈوکس کہا جاتا ہے تو میڈیائیول (MEDIEVAL) اسلام مراد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کا اسلام مُراد نہیں۔ بیچ کی صدیوں میں جہاں اسلام میں تشدد پیدا ہُوا، یا اسلام میں بعض بدقسمتی سے جاہلانہ خیالات بھی آ گئے، بعض کم علم لوگوں نے اسلامی علوم

پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اس زمانے کو میڈیول اسلام سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی کا نام آج کل اور تھوڈوکس اسلام ہے۔ تو اور تھوڈوکس اسلام کے پاس جس کے سارے نمائندے آپ بھی جانتے ہیں کس قسم کے علماء ہیں؟ ان کے پاس تو ان سوالات کا کوئی جواب نہیں۔ ان کو خود سوالوں کا ہی علم نہیں۔ اُن کی جو نہج ہے سوچ کی وہ بالکل مختلف سمت میں جا رہی ہے۔ ایک دانشور کو قرآن اور حدیث سے مطمئن کرنا یہ وہ معجزہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے۔ اور بڑے سے بڑے عالم اور بڑے سے بڑے فلسفی کے سامنے بھی ایک احمدی نہ صرف یہ کہ عاجز نہیں آسکتا بلکہ یوں محسوس کرتا ہے اپنی برتری کو جیسے وہ بلند منزل سے نیچے کسی چیز کو دیکھ رہا ہو۔

اِتنا یقین، اتنی قوّت ہے احمدیت کے علمِ کلام میں

کہ اس کو جب آپ بیان کرتے ہیں تو دلوں میں داخل ہوتا ہوا نظر آرہا ہوتا ہے۔ اور کبھی بھی ایسا نہیں ہوا اِلّا ماشاء اللہ کوئی اتفاق سے کوئی ہزار میں سے ایک کبھی ضدی نکل آئے تو اور بات ہے۔ ورنہ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ شدّت سے سوال کرنے والا پوری شدّت اور غصّے اور جذبے سے سوال کرے اور پھر پوری شدّت اور جذبے کے ساتھ تائید نہ کرے بعد میں۔ سر ہلا ہلا کر بھی اور خوشی کے ویسے اظہار سے، ہر رنگ میں اُن کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ اُن کی آنکھوں میں محبت پیدا ہو جاتی ہے اسلامی تصوّرات کے لئے۔

چنانچہ غرناطہ میں بھی یہی نظر آیا۔ لیکن اس میں ابھی کام بہت ہے۔ اتنا وسیع کام کرنے والا ہے کہ جس کی وجہ سے طبیعت کے اُوپر بہت ہی افسردگی کہنا چاہیئے یا احساسِ غم دکھ کا کہ کس طرح کریں گے، اور کتنی جلدی ہونا چاہیئے؟ اور ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اپنی بے بضاعتی کی طرف توجہ اور کام کی شدّت اور اس کی وسعت اور زمانے کی رفتار اور پھر اپنے پاس جو کچھ ہے کس قسم کے ہمیں آدمی چاہئیں؟ کس قسم کا رابطہ وسیع کرنے کی ضرورت ہے؟ بے شمار ایسے موازنے تھے جو ذہن میں اُبھرتے تھے اور طبیعت کو شدید طور پر بے چین کر دیتے تھے۔

چنانچہ میں نے وہاں غور کیا تو اب یہ نتیجہ نکالا ہے کہ واقفینِ عارضی جس طرح جا کر وہاں کام کرتے ہیں اس وقت ایسے کام کی ضرورت نہیں ہے۔ محض آپ اشتہار تقسیم کریں علاقے میں پھر کے اور اس کے بعد پھر دُوسرا واقفِ زندگی کسی اور جگہ جائے اور پھر وہ کچھ لوگوں میں اشتہار تقسیم کر جائے۔ اس کو تو ضرور لطف آتا ہے اور ایک دفعہ پیغام بھی پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اس کے نتیجے میں

اہلِ سپین سے گہرا رابطہ

قائم ہو جائے یہ بات درست نہیں ہے۔ جہاں تک وسیع پیمانے پر پبلسٹی کا تعلق ہے وہ تو خدا کے فضل سے پہلے ہی ہمیں وہاں مل رہی ہے، ریڈیو کے ذریعے، ٹیلی ویژن کے ذریعے، اخبارات کے ذریعے۔ پیر صاحب اس معاملے میں بڑے ماہر ہیں اور بڑا وسیع رابطہ انہوں نے رکھا ہوا ہے۔ اُن کے آنے سے پہلے بھی ہمارے مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر نے ایسے نامساعد حالات میں جب کہ کچھ بھی اُن کے پاس نہیں تھا انہوں نے بھی یہ رابطہ بڑا عمدگی سے قائم کیا اور اس کے بڑے نیک اثرات تھے جو ہم نے محسوس کئے افتتاح کے وقت۔ تو دونوں مبلغ اس فن کے ماہر ہیں۔ اور اسلام کی یہ آواز مختلف ذرائع سے وسیع پیمانے پر اس قوم تک پہنچ رہی ہے۔ لیکن اس سے تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس سے صرف ہماری موجودگی کا احساس پیدا ہو سکتا ہے۔ اس وقت ضرورت ہے کہ اس رنگ میں وہاں کام کیا جائے اور مبلّغین کو بھی میں نے سمجھایا ہے کہ دانشوروں سے رابطہ اور اپنے احمدی دوستوں کے ذریعے مجالس کا انعقاد جہاں مبلغ جائے، اور سوال و جواب کی مجالس لگائے۔ اور ذاتی رابطہ ہو جو کھویا نہ جائے۔ بار بار اُن سے ملاقاتیں ہوں۔ بار بار اُن کو سمجھایا جائے۔ اس طرح

محنت کے ساتھ ایک ایک بیج بونے کی ضرورت ہے

یہ نہیں کہ گزرتے ہوئے ہواؤں میں آپ چھٹا دے دیں اور پھر بھول جائیں کہ اس بیج کا کیا بنا؟

وہ زمین میں داخل بھی ہوا کہ نہیں؟ اور ہوا بھی تھا اور جڑیں نکل بھی آئیں تو اس روئیدگی کی جو پیدا ہوئی اس کی آبیاری کس نے کی؟ چنانچہ تو نہیں مر گئے؟ اگر آبیاری کسی نے کی بھی تھی بے شمار ایسے مسائل ہیں جو نباتاتی مسائل ہیں۔ لیکن رُوحانی دُنیا پہ بھی اطلاق پاتے ہیں۔ اس لئے اب تو ضرورت ہے کہ ایک ایک درخت کاشت ہو اور اس کی حفاظت کی جائے مسلسل اس سے رابطہ رہے۔ اور اس وجہ سے مجھے اب وقفِ عارضی کے پروگرام کو بدلنا پڑے گا۔ اب تو ہمیں ایسے واقفین کی ضرورت ہے جو جا کے کسی ایک جگہ شہر کے ذاتی دوستیاں بنائیں۔ اور پھر وہاں ٹھہرے رہیں۔ اور تعلقات بنائیں۔ اُن کو اپنے پاس آنے کی دعوت دیں۔ ذہانت کے ساتھ مطالعہ کریں کہ کونسے لوگ ہیں جن میں اس قدر سنجیدگی پائی جاتی ہے کہ وہ مذہب کا مطالعہ کریں۔ ایکسائیٹ (EXITE) کریں ان کے خیالات کو۔ اور رُوحانیت کا پیغام دیں۔ ان کے لئے دُعائیں کریں۔ اور اُن کے اندر دُعا کی طلب پیدا کریں۔

اُن کو بتائیں کہ ہمارا ایک خُدا ہے

یہی آج اس قوم کی آواز ہے کہ اگر خُدا ہے تو کہاں ہے؟ اور کیوں ہم سے رابطہ نہیں رکھتا؟ تو ذاتی رابطہ اور بہت سنجیدگی کے ساتھ تعلقات کو آگے بڑھانا اور پھر جلد از جلد خُدا کی طرف لے کے آنا اور اُس سلسلے میں دُعاؤں پر زور دے کر اُن پہ ثابت کرنا کہ رُوحانیت کوئی فرضی چیز نہیں ہے بلکہ زندہ حقیقتوں میں سے ایک زندہ حقیقت ہے۔ اور اُن کو یہ بتانا کہ دیکھو دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں، تمہیں دکھاتے ہیں وہ کونسا خُدا ہے؟ جس نے ہم سے رابطہ کیا ہے۔ اس قسم کے واقفین ہیں جو وہاں کامیاب ہو سکیں گے۔ اور اسی نہج پر آئندہ سپین میں کام کرنا چاہیئے۔ ورنہ تو باہر کی دُنیا سپین کی بالکل ایک مُردہ دُنیا ہے۔ وہاں غرناطہ میں جب وہ سوال کر رہے تھے تو مجھے خیال آیا کہ بالکل یوں معلوم ہوتا ہے کہ بے بصیرت لوگ ہیں۔ جن کو روشنی ہوتے ہوئے بھی پُوری طرح اندھیرا دکھائی دے رہا ہے۔ یعنی خدا کا وجود جو ہر ذرّے سے ظاہر ہے، ہر کائنات کے ذرّے ذرّے میں بول رہا ہے اُس کی آواز کو اُن کے کان سُن سکتے ہیں، نہ اس نُور کو وہ کسی پہلو سے بھی دیکھ سکتے ہیں

کُلّیۃً ایک خلا محسوس ہو رہا ہے

اور جس خُدا پر وہ ایمان لے آرہے ہیں وہ بھی ایک قدیم زمانے کا خُدا ہے۔ جو ماضی میں سینکڑوں ہزاروں سال پیچھے رہ چکا ہے۔ زندہ۔ قدم بقدم ساتھ چلنے والا۔ سہارا دینے والا۔ آئندہ کی راہ دکھانے والا۔ آئندہ کی اُمیدیں پیدا کرنے والا، ایسا کوئی خدا اُن کو معلوم نہیں۔ اس لئے یہ مرکزی حقیقت ہے جس پر زور دے کر ایسے ملکوں میں تبلیغ کامیاب ہو سکے گی۔ اور آئندہ اسی نہج پہ کام ہونا چاہیئے۔

غرناطہ ہی میں ایک وہاں کی میں نے مثال سُنی بڑی دلچسپ ہے جو غرناطہ کے حُسن کے متعلق بیان کی جاتی ہے۔ سپینش کہاوت ہے کہ غرناطہ کے اندھے یہ آواز دیتے ہیں کہ اے خاتون! کچھ راہِ مولیٰ مجھے خیرات دیتی جاؤ۔ کیونکہ غرناطہ کے اندھے سے زیادہ دُنیا میں اور کوئی محروم اور قابلِ رحم چیز نہیں۔ اتنا حُسن اور آنکھیں حُسن کو دیکھنے سے عاری رہیں۔

چنانچہ وہ مثال مجھے یاد آئی اور میں نے سوچا کہ ایک غرناطہ نہیں سارا اندلس، سارا سپین اندھوں سے بھرا ہوا ہے جو اس وقت خدا کے نُور سے ناآشنا ہیں۔ اصل حُسن سے ناآشنا ہیں۔ اور دیکھ نہیں سکتے۔ اور

نہایت قابلِ رحم حالت ہے

اُن کی کہ وہ جو اُن کو اس حُسن کی خیرات دینا چاہتے ہیں وہ خیرات لینے سے بھی انکار کر رہے ہیں۔ اور اسے لینے کے لئے اُن کے ہاتھ آگے نہیں بڑھتے۔ تب میری توجہ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف منتقل ہوئی

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ جب ہم نعمت دیتے ہیں انسان کو اَعْرَضَ وَنَا بِجَانِبِہٖ وہ منہ موڑ لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے، انکار کر دیتا ہے اُسے قبول کرنے سے۔ تو اِس وقت یورپ کے اندھے تو غرناطہ کے اندھے بنے ہوئے ہیں۔ لیکن قابلِ رحم تو ہیں لیکن لینے کی کوئی طلب نہیں ہے۔ تو واقفینِ عارضی کو وہ طلب بھی پیدا کرنی پڑے گی۔ اُن کو یہ بینائی بھی دینی پڑے گی کہ تم محروم ہو۔ اور ہم نہ صرف حُسن لے کے آئے ہیں بلکہ تمہیں یہ بتانے بھی آئے ہیں کہ یہ حُسن ہے اور تم اس سے محروم بیٹھے ہوئے ہو۔ تو یہ

دو کام

ہیں۔ ایک کام نہیں رہا آپ کا۔ آپ نے خیرات اُن کی جھولی میں ڈالنی بھی ہے اور اس خیرات کے لئے طلب بھی پیدا کرنی ہے۔ اس کے لئے آپ کو خود حسین ہونا پڑے گا۔ مزین ہونا پڑے گا اُن صفات سے جو نہ صرف یہ کہ حُسن کی جاذبیت رکھتی ہیں بلکہ حُسن کی جاذبیت کو دیکھنے والی آنکھ بھی پیدا کر سکتی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے حُسن میں دونوں صفات پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حُسن کا یہ کمال ہے کہ وہ اندھوں کو پہلے بینائی بخشتا ہے اور پھر اس بینائی کے سامنے اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ چنانچہ

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ٥

میں یہ بھی ایک فلسفہ بیان فرمایا گیا ہے کہ تجھے تو ہم نے بھٹکتا ہوا پایا تھا۔ ہم نے تجھے ہدایت دی یعنی اپنی طرف آنے کے لئے ہم نے ہی سب کچھ تمہیں عطا کیا تھا۔ آغاز میں جو طلب پیدا کی وہ بھی ہم نے پیدا کی، دیکھنے کی توفیق بھی ہم نے بخشی۔ پھر جلوہ بھی ہم نے دکھایا۔ تو گویا ہدایت کے سارے مراحل کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر عائد ہوتی ہے۔ اس لئے اہلِ سپین کے اندھوں کو اگر آپ نے جا کر اسلام کی طرف مائل کرنا ہے تو حسن بھی بخشنا ہے۔ اور حُسن کی آنکھ بھی عطا کرنی ہے۔

اِس کے لئے آپ کو صفاتِ باری تعالیٰ سے مزین ہونا چاہئیے

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ آپ حسین ہو جائیں گے سب سے زیادہ حسین قول کہنے والے بنیں گے، مگر اُس وقت جبکہ اللہ کی طرف بلائیں اور اللہ کے رنگ اختیار کر کے اللہ کی طرف بلائیں۔ عَمِلَ صَالِحًا کا یہی مطلب ہے کہ صرف اللہ کی طرف نہ بلاؤ بلکہ اللہ کے رنگ اختیار کر کے پھر خدا کی طرف بلاؤ۔ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ اہلِ سپین کو اسلام کی طرف بلانے کے لئے یہ نیا لائحہ عمل انشاء اللہ تعالیٰ بہت بہتر اور مفید ثابت ہوگا۔

سپین میں اِس دفعہ

ایک اور نیا تجربہ

ہُوا جو بہت ہی دُکھ والا بھی تھا لیکن اس کے نتیجے میں خدا تعالیٰ نے خاص دُعاؤں کی بھی توفیق بخشی۔ سفر کے دوران ایک ایسا خیال ہمارے ساتھی مکرم منصور احمد خان صاحب کو آیا جس کا پہلے مجھے خیال نہیں آیا تھا کم سے کم۔ انہوں نے ذکر کیا وہ ہمارے وکیل التبشیر بھی ہیں اور سفر کے دوران پرائیویٹ سیکرٹری بھی وہی تھے اور میرے ڈرائیور بھی وہی تھے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے تینوں کام بڑی ہمت سے انہوں نے کئے ہیں۔ تو انہوں نے سفر کے دوران یہ بتایا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ یہاں اتنے مسلمان بستے رہے ہیں، آٹھ سو سال تک آباد رہے ہیں، اُن کا مقبرہ کبھی نہیں دیکھا۔ عمارتیں تو نظر آ رہی ہیں لیکن کہیں کسی مقبرے کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ تو اُس وقت مجھے توجہ پیدا ہوئی اور میں نے کہا واقعۃً جب پچھلی دفعہ بھی ہم آئے تھے اور اس سے پہلے بھی جب میں سپین آیا تھا اکیلا تو اس وقت بھی سارے سفر کے دوران کہیں بھی سپین میں کوئی مقبرہ مسلمانوں کا نظر نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے

یہ خیال اُن کے دل میں اللہ تعالیٰ نے خاص مقصد کے لئے ڈالا تھا

کیونکہ دُوسرے دن غرناطہ پہنچ کر جب ہم صبح کی سیر کے لئے نکلے تو تجویز یہ کیا گیا کہ وہ جگہ جہاں پیلس (PALACE) ہے غرناطہ کا الحمراء، اس کے علاوہ بھی ہیں بعض، وہ چونکہ بند ہوگا اس لئے اس پہاڑی کی چوٹی پر جایا جائے۔ وہاں سے سارے اندلس کا منظر دور دور تک نظر آتا ہے۔ اور غرناطہ کے تو سارے پہلو ہر طرف سے بڑے صاف واضح دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے یہی فیصلہ کیا کہ اس پہاڑی کی چوٹی پر چلتے ہیں۔ عموماً جتنے بھی مسافر ہیں یا دیکھنے والے زیارت کرنے والے اُن کو الحمراء اتنی زور کے ساتھ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے کہ اس سے آگے پہاڑی پر جانے کا کسی کو خیال ہی نہیں آتا۔

بہرحال چونکہ سیر کی عادت تھی اس لئے اس تجویز کو میں نے بڑا پسند کیا۔ اور ہم اس پہاڑی کی چوٹی پر جانے لگے تو تقریباً دو تہائی فاصلہ طے کرنے کے بعد اچانک میرے ساتھی ڈاکٹر منصور الٰہی نے بتایا کہ یہاں ایک قبرستان ہے اور یہ ایک ہی قبرستان ہے مسلمانوں کا جو آج تک باقی ہے۔ چنانچہ جب میں نے دائیں طرف نظر ڈالی تو ابھی تک اس کے اوپر عبارت لکھی ہوئی تھی قبرستان کے متعلق۔ اور اندر جا کے ہم نے دیکھا تو اکثر قبریں یا تو بالکل گڑھے بن چکی تھیں جس طرح اندھی آنکھیں ہوتی ہیں۔ اُن میں آنکھ کا ڈھیلا نہ ہو۔ اِس قسم کی شکلیں تھیں اُن قبروں کی۔ اور

بڑے ہی دردناک حالت میں تھیں وہ قبریں

اور بہت وسیع علاقہ ہے وہ پہاڑی کا۔ وہ ایک چھوٹی پہاڑی ہے جو تقریباً تمام کی تمام کسی زمانے میں غرناطہ کے مسلمانوں کے لئے قبرستان کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ کوئی کتبہ باقی نہیں ہے وہاں۔ صرف پتھروں کے نشان ہیں اِدھر اُدھر کچھ۔ اور کچھ گڑھے ہیں قبروں کے۔ بعض جگہ تو بعض لوگوں نے تھوڑی سی مٹی ڈال کے اس کو برابر بھی کیا ہوا ہے۔ اور چند قبریں ہیں جو تازہ ہیں۔ مگر اکثر قبریں وہی پرانی قبریں ہیں۔ وہاں دُعا کے وقت ایک خاص کیفیت دل پہ پیدا ہوئی۔ اور ذہن پرانی ماضی کی تاریخ میں چلا گیا۔ نہیں کہہ سکتا تھا، نہ ہی میرے لئے ذریعہ تھا کوئی معلوم کرنے کا کہ اُن میں سے اوّلین زمانے کے غازی کونسے ہیں؟ اور آخری دور کے وہ بدقسمت کون ہیں جنہیں سپین کو اپنے ہاتھوں سے غیروں کو سپرد کرنا پڑا؟ مگر یہ مجھے محسوس ہوا کہ

اِس مٹی میں دونوں خون ملے ہوئے ہیں

اُن غازیوں کا بھی خون ہے جنہوں نے خون دے کر اسلام کی عظمتوں کے لئے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی۔ اور اُن محروموں کا خون بھی اس میں ملا ہوا ہے جو بدقسمتی سے ایسے زمانے میں داخل ہوئے کہ جب وہ اپنی وراثت کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان عظیم الشان غازیوں نے جو ورثے میں دولتیں عطا کی تھیں اُن کی حفاظت کرنے کے بھی وہ اہل نہیں رہے تھے۔ تو وہ قبرستان کیا تھا وہاں سپین کا مشرق بھی تھا اور سپین کا مغرب بھی تھا۔ جہاں سے سورج طلوع ہوتا تھا وہ جگہ بھی دکھائی دے رہی تھی۔ اور جہاں سورج غروب ہو گیا تھا وہ جگہ بھی دکھائی دے رہی تھی۔ اُس وقت میں نے دُعا کی کہ اے خدا! یہ تو مٹی ہو گئے لوگ۔ اُن کے ظاہری بدن تو مٹی ہو گئے۔ مگر اُن کی رُوحیں تیرے حضور زندہ ہیں۔ میری آواز براہِ راست تو اُن تک نہیں پہنچ سکتی۔ لیکن میری آواز کو تو اُن تک پہنچا سکتا ہے۔ اِس لئے

آج میں اُن کو ایک پیغام دیتا ہُوں

تمام جماعتِ احمدیہ کی طرف سے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلیفہ کی حیثیت سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے یہ پیغام ان کو دیتا ہوں کہ اگرچہ تم مر گئے اور زیرِ زمین جا سوئے لیکن درحقیقت میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم نہیں بلکہ سارا سپین مر گیا۔ تم ہی زندگی کے نشان تھے۔ تم ہی وہ تھے جو اس چمنستان کی زینت تھے۔ اس کی رونق تھے۔ تمہارے دم قدم سے سپین کی آبادیاں تھیں۔ تمہاری آوازوں کے ساتھ خدا کی تکبیر یہاں بلند ہوا کرتی تھی۔ تمہاری پیشانیوں پہ وہ نور تھا جو سجدہ کرنے والی پیشانیوں کو عطا ہوتا ہے۔ پس اگرچہ تم آج تہہِ خاک جا سوئے ہو۔ اور تمہارے ظاہری وجود کا کوئی نشان بھی باقی نہیں سوائے

اُن گڑھوں کے جو بے ڈھیلوں کی آنکھوں کی طرح بے نور گڑھے دکھائی دے رہے ہیں۔ اور بظاہر یہ اسلام کی موت دکھائی دیتی ہے۔ مگر مَیں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جس طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ معرفت کا نکتہ بیان کیا تھا کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم پر دو موتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ آپؐ کے ماننے والوں پر بھی دو موتیں جمع نہیں ہو سکتیں ان کے جسم تو مر سکتے ہیں مگر اُن کے دین کو نہیں مرنے دیا جائے گا۔ پس مَیں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ

ساری جماعت احمدیہ اس بات کا عہد کر رہی ہے

اور اس عہد کو ہمیشہ نبھاتی رہے گی کہ جب تک اسلام دوبارہ سپین میں اسی شان کے ساتھ دوبارہ زندہ نہ ہو بلکہ اس سے بڑھ کر شان کے ساتھ دوبارہ زندہ نہ ہو، جس طرح پہلی بار اسلام سپین میں زندہ ہوا تھا ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ ہم مسلسل جدوجہد کرتے رہیں گے۔ ہم مسلسل کوشش کرتے رہیں گے۔ ہم تو اس آقا کے غلام ہیں جس نے بیابان میں یہ عجیب ماجرا دکھایا تھا کہ صدیوں کے مُردوں کو ہزاروں سال کے مُردوں کو زندہ کر دیا تھا۔ الٰہی رنگ پکڑ گئے تھے وہ مُردے۔ آج بھی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی شانِ احیائے موتیٰ کے صدقے اور آپؐ ہی کے طفیل ہم اس مردہ سپین کو دوبارہ زندہ کریں گے۔ پس ہمارا انتقام تو وہی ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کا انتقام تھا۔ اُس عفو کے شہزادے کا انتقام تھا۔ جو آپ پر موت برسانے کی کوشش کرتے تھے آپ انہیں زندگی عطا کرتے تھے۔ پس اے اسلام کے نام پر مارے جانے والو! ہم تمہاری خاطر تمہاری ہی طرف سے زندگی کا پانی بکھیریں گے سارے سپین میں۔ اُن مُردوں کو جو سطحِ زمین پر بس رہے ہیں بظاہر اور درحقیقت وہ قبرستان کا منظر پیش کر رہے ہیں ان کو ہم زندہ کریں گے۔ اور اُن میں دوبارہ اسلام کا خون دوڑتا ہوا اور پنپتا ہوا دیکھیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ، اور

سپین سے انشاء اللہ تعالیٰ دوبارہ ساری دُنیا کیلئے اسلام کے مبلغ نکلیں گے

اور تمام دنیا میں سپینش مسلمان اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کے لئے عظیم الشان قربانیاں دینے لگیں گے۔ یہ ہمارا مقصد اور ادعا ہے۔ اور مَیں عہد کرتا ہوں کہ اے خدا! تو ہمیں توفیق عطا فرما ہم اس عہد کو پورا کرنے والے ہوں۔ کہ اس قبرستان کو جو ظاہری مسلمانوں کا قبرستان ہے، سارے سپین کے لئے زندگی کا سرچشمہ بنا دیں گے۔ آج اس قبرستان نے جو میرے دل کو زخمی کیا ہے اور جو میری روح کو چرکے لگائے ہیں، اے خدا! اس سے ایسے خون کی آبشار نکال، ایسے خون کے سوتے نکال کہ جو سارے سپین کو تر و تازہ کر دیں اور نیا رنگ بھر دیں اسلام کا اور تیری محبت کا نیا رنگ بھر دیں۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے غلام یہاں پیدا ہوں۔ اور صرف غلام نہیں اس شان کے غلام پیدا ہوں کہ وہ اسلام کے لئے ساری دنیا میں قربانیاں دینے لگیں۔ اور مجھے یہ خیال آیا اور مَیں یہ عہد کرتا ہوں کہ ہم یہ کوشش جاری رکھیں گے۔ اور یہ کوشش کریں گے کہ انشاء اللہ تعالیٰ بالآخر تمام دُنیا کے ہر خطے میں سپینش مُبلغ بھجوائیں گے۔ جو وہاں جا کر اسلام کی تبلیغ کریں۔

یہی انتقام تھا جو ہم اس قوم سے لے سکتے تھے اور یہی وہ انتقام ہے جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے غلاموں کو زیب دیتا ہے۔ اور مَیں آپ کو اس لئے یہ بتا رہا ہوں کہ جیسا کہ آپ کی طرف سے عہد کر چکا ہوں، تو آپ نے اس عہد کو نبھانا ہے، ہر ممکن میری مدد کرنی ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ

یہ میرے دل کی ہی آواز نہیں بلکہ ہر احمدی کے دل کی آواز تھی۔

اور اگر آپ دُعاؤں کے ذریعے اپنے اس عہد کو قائم اور زندہ رکھنے کے لئے خدا سے التجائیں کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ عہد ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اور اس کے عظیم الشان پھل ہمیں بھی عطا ہوتے رہیں گے۔ اور اہلِ دُنیا کو بھی عطا ہوتے رہیں گے۔

خطبۂ ثانیہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:—

اس سفر کے دوران

بعض بہت مخلص اور نیک احمدیوں کے وصال کی خبریں ملی ہیں

اگر تو مَیں وہاں موجود ہوتا ربوہ میں تو خود اُن کا جنازہ پڑھاتا۔ یہ میری دلی تمنا بھی ہوتی۔ لیکن اُن میں سے بھی اکثر کے متعلق یہی ہے کہ اُن کی دلی تمنا بھی یہی تھی کہ میں اُن کا جنازہ پڑھتا۔

اکثر تو پاکستان کے ہیں اور ایک فلسطین کے احمدی دوست بھی ہیں۔ اُن کی طرف سے بھی یہی درخواست ملی ہے اُن کے اقرباء کی طرف سے۔ تو اُن سب کی نمازِ جنازہ غائب ہوگی ابھی جمعے کی نماز کے بعد۔

سب سے پہلے تو ان میں مکرم چوہدری محمد اسلم صاحب امیر ضلع سیالکوٹ یہ افسوسناک اطلاع کی خبر ملی ہے آپ کو دل کی تکلیف تو بڑی پرانی تھی۔ مگر اسی حالت میں ہی دورے کرتے تھے، سلسلے کے کام خدا کے فضل سے پوری تندہی سے سرانجام دیتے رہے۔ اور ابھی بھی اُن کی وفات میں ایک شہادت کا رنگ اس طرح پایا جاتا ہے کہ دینی سفر پر روانہ ہوئے تھے اور اسی سفر کے دوران آپ کا ہارٹ فیل ہوا ہے۔

دوسرے مکرم حسین علی خالد مصاف ہیں جو فلسطین کے ابتدائی احمدیوں میں سے تھے اور نہایت فدائی اور مخلص تھے۔ اور رپورٹ یہ ہے کہ مبلغین کے ساتھ ہمیشہ تعاون کرتے اور تبلیغی اور تربیتی کاموں میں ہمیشہ ہاتھ بٹانے والے تھے۔

تیسرے ہمارے ایک پرانے سلسلے کے بزرگ، سادہ، نیک مزاج، دُعاگو، تبلیغ کا بے حد شوق رکھنے والے مکرم چوہدری سردار خان صاحب چٹھہ موہلن کے ضلع گوجرانوالہ کے ہیں۔ اُن کے بیٹے عبد القدیر صاحب ناظر بیت المال قادیان ہیں آج کل۔ مرحوم موصی بھی تھے۔ اور مَیں جانتا ہوں، مَیں وقفِ جدید کے اور خدام الاحمدیہ کے دوروں پر بہت پھرتا رہا ہوں، بہت ہی غیر معمولی اخلاص میں نے اُن کا دیکھا۔ جس سے ہمیشہ بہت متاثر ہوا کرتا تھا۔

چوتھے مکرم سید ابو الحسن خورشید بخاری جو "الفضل" کے بھی خوشنویس تھے اور آج کل وہ خطبات کی کتابت بھی کر رہے تھے۔ یہ بھی بڑے محنتی اور سلسلے سے محبت رکھنے والے تھے۔ ایک بیٹا اُن کا واقفِ زندگی ہے۔ جامعہ میں طالب علم ہے۔ ان کی بھی اچانک وفات ہو گئی۔

پانچویں ماسٹر سعد اللہ خان صاحب فیکٹری ایریا ربوہ بڑے ہی نیک مزاج اور پیار کرنے والے، محنت کے ساتھ پڑھانے والے، بڑے ہر دلعزیز اُستاد تھے احمدیہ ہائی سکول کے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی کام کرتے رہے پرائیویٹ ٹیوشن کے طور پر۔

پھر شیخ نذیر احمد صاحب اوکاڑہ۔ یہ ہمارے ناصر شہید کے رشتے داروں میں سے ہیں۔ اُن کو بھی تبلیغ کا جنون تھا۔ اور خاص ایک رنگ تھا اُن کی تبلیغ کا جو دشمنوں کے اندر بھی جا کر اُن کے دلوں کو نرم کر دیا کرتا تھا۔

پھر ایک ہماری خاتون ہیں، خواجہ فضل احمد صاحب جو اسلام آباد میں پیچھے رہے ہیں اُن کی بیگم امۃ الحیّ صاحبہ۔ ان کے متعلق تو میرا یہی علم تھا کہ اچھی صحت ہے، ٹھیک ہیں۔ عمر بھی زیادہ نہیں تھی۔ پتہ نہیں کیا تکلیف ہوئی ہے؟ اچانک اُن کی وفات کی بھی اطلاع ملی ہے۔

انوری بیگم صاحبہ ڈاکٹر سردار علی صاحب ربوہ کی بیگم اُن کی بھی وفات کی اُن کے بیٹے نے اطلاع دی ہے۔ یہ ہمارے ہمسائے میں ربوہ میں رہا کرتے تھے ایک زمانے میں کرائے پر مکان لے کر۔ بڑے مخلص دوست تھے۔ اُن کی بیگم بھی خدا کے فضل سے متقی اور تہجد گزار تھیں۔

پھر مکرم علی احمد صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی جو مشہور ہیں جماعت میں، جن کے بیٹے عبد السلام اختر صاحب بھی واقفِ زندگی تھے اُن کی بیگم سیدہ رشیدہ بیگم صاحبہ کی وفات کی بھی اطلاع ملی ہے۔ اُن کے تین بیٹے یہاں، انگلستان میں بھی رہتے ہیں۔

ان سب کے علاوہ ایک۔ ابھی اطلاع ملی ہے کہ صوفی عبد الرحیم بخش صاحب نیروبی کی بیگم بھی وفات پا گئی ہیں سارہ بیگم۔ یہ غالباً مولوی ابو العطاء صاحب کی ہمشیرہ تھیں اور موصیہ تھیں۔ یہ بھی بہت دین کے کاموں میں رغبت رکھنے والی اور قربانی کرنے والی تھیں۔ یہ

بہت ہی قیمتی وجود

ہیں جو ہم سے الگ ہوئے ہیں۔ اُن سب کی نمازِ جنازہ جمعے کے بعد ہوگی ۔

ولادت

مکرم ڈاکٹر حمید الرحمان صاحب آف امریکہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بیٹی سے نوازا ہے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہِ کرم نومولودہ کا نام "عائشہ" تجویز فرمایا ہے۔ نومولودہ مکرم عبد الرحیم صاحب افغان درویش مرحوم کی پڑپوتی، مکرم خلیل الرحمان صاحب مبلغِ پشاور کی پوتی اور مکرم ڈاکٹر پروفیسر عبد السلام صاحب کی نواسی ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب بچی کی صحت و عافیت درازیٔ عمر اور نیک، صالحہ و خادمۂ دین بننے کے لئے قارئین سے دُعا کی درخواست کرتے ہیں ۔

(امیر جماعت احمدیہ قادیان)

سیرت حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا

رشحاتِ قلم سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

پیارے آقا کا یہ انتہائی لطیف اور بیش قیمت مضمون ہمیں محترم ملک صلاح الدین صاحب ایم اے (مؤلف اصحاب احمد) قادیان کی وساطت سے موصول ہوا ہے۔ جسے سیدنا حضرت اقدس امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد پر بعد شکر و امتنان بدر کے صفحات کی زینت بنایا جا رہا ہے۔ ——— (ایڈیٹر)

حضرت امّاں جان نور اللہ مرقدہا سے متعلق چند باتیں لکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ آپؓ کی شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو سچائی تھا۔ اور شفقت علی النّاس اس سچائی کے ساتھ گھل مل کر ایک وجود کی صورت میں ڈھل گئی تھی۔ اُسی وجود کا نام

سیّدہ نصرت جہاں بیگم

تھا جو جماعت میں بالعموم حضرت اُمّ المومنین کے مقدس لقب سے معروف ہیں۔ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور قریبی حلقوں میں حضرت امّاں جان کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔

سچائی اور شفقت، بلاشبہ میرے نزدیک ان دو لفظوں میں آپ کی شخصیت سمٹتی ہوئی اور پھر نور کی کرنوں کی طرح سارے رُوحانی وجود پر پھیلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یہ دو صفات آپ کی ہر دوسری صفت پر حاوی تھیں۔ اور مزاج کا یہ جزء ان میں رنگین تھا۔ اب تک مَیں نے اپنی ساری زندگی میں ایسا کوئی وجود نہیں دیکھا۔ بلاشبہ وہ اس زمانہ کی خواتین میں بے مثل تھیں۔

ایسا پاکیزہ مزاج، رطب و یابس سے مبرّا ایسا صاف کلام، جس میں لغو کا کوئی پہلو سنائی نہ دیتا تھا۔ اور جو لایسمعون فیہا لغواً ولا کِذّابا کا منظر پیش کرتا تھا۔ ملائم مدھم گفتگو، مخاطب کی بات کو تحمل سے سُننا اور بڑے سکون اور وقار سے اس کا جواب دینا، تکلّف سے پاک زندگی اور تکلّف سے پاک کلام۔ مَیں سوچتا ہوں تو ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہوں کہ کس مٹی سے یہ وجود ڈھالا گیا۔ اگر سچائی اور شفقت دو مادّی وجود ہوتے تو حضرت امّاں جان کو خلعتِ وجود بخشنے کے لئے سچائی کی مٹی کافی تھی جسے شفقت کے پانی سے گوندھا جاتا۔ بار بار یہ کہنے کے باوجود میرے دل کی پیاس نہیں بجھ رہی اور مسلسل تشنگی محسوس کر رہا ہوں کہ ابھی تک مَیں اپنے مافی الضمیر کو پوری طرح بیان نہیں کر سکا اور جو کہنے کا حق تھا وہ حق ادا نہیں کر سکا۔ مَیں کیسے بتاؤں اور وہ زبان کہاں سے لاؤں جو حضرت امّاں جانؓ کی زندگی میں سچائی اور خلوص کے حسین امتزاج کو ظاہر کر سکے۔

انسان تو ایک بہت عاجز بیان جانور ہے۔ وہ سب جو آنکھ دیکھتی ہے زبان اُسے کما حقہٗ دوسروں تک پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتی۔ دل لاکھ چاہے اور تڑپے کہ جو آنکھوں نے دیکھا اور دل نے محسوس کیا وہ اُسی طرح من وعن دوسرے کے قلب میں اُنڈیل دے۔ لیکن حسرت کے ساتھ گویائی اپنی شکست تسلیم کرتی ہے۔ اور قلم رُک رُک کے چلتا اور چلتے چلتے رُک رُک جاتا ہے۔ لیکن وہ کہہ پانے کی مقدرت نہیں رکھتا جو سینے میں بھرا ہُوا ہے۔ حضرت امّاں جان کی سیرت کے بیان میں بھی مجھے ویسی ہی دُشواری پیش آ رہی ہے۔ سوچتا ہوں کہ کیا اور کیسے بیان کروں تو جیسے ریکارڈ پر سُوئی اٹک جائے، بار بار یہ دو لفظ سامنے آتے ہیں اور آ آ کے چلے جاتے ہیں کہ ہماری امّاں جانؓ بے حد سچّی تھیں اور بڑی شفیق تھیں۔ ایسی سچّی کہ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے اس جیسی دوسری نظر نہ آئے۔ اتنی شفیق کہ ایسی چہار دانگِ عالم میں کوئی اور دکھائی نہ دے۔ اُن کی شفقت اور سادگی۔ سچائی اور پیار کی یاد سے تو جان پگھل کر دعا بن جاتی ہے اور دُعا دل کا گداز خونِ جگر کی آمیزش لئے آنکھوں سے بہنے لگتا ہے۔

مَیں نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو تو نہیں دیکھا لیکن حضرت امّاں جان کو دیکھا ہے۔ اور خوب سمجھتا ہوں کہ کیوں صحابہ کرام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذکر پر آپ کے وصال کے بیسیوں سال بعد بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دیا کرتے تھے اور فرطِ محبت اور دردِ فراق سے اُن کے سینوں پر ایک قیامت ٹوٹ پڑتی تھی۔ تاریخ احمدیت میں جب وہ واقعہ پڑھتا ہوں تو مجھے کبھی تعجب نہیں ہوتا جب مشہور مستشرق (مسٹر والٹر) سن ۱۹۱۶ء میں قادیان آیا اور حضرت اقدس کے ایک صحابی منشی روڑے خاں سے پوچھا کہ مرزا صاحب کی سیرت پر کچھ بیان کرو تو وہ بے اختیار رونے لگے اور روتے روتے اُن کی ہچکی بندھ گئی۔ (مسٹر والٹر) گو حضرت منشی صاحب کی اس حرکت پر تعجب تو ہُوا لیکن (وہ) ایک ذہین آدمی تھا۔ آنسوؤں کی اس خاموش زبان کو سمجھ گیا اور مغرب کے ایک دُور دیس سے آنے والا اس راز کو پا گیا کہ مرزا صاحبؑ جو کچھ بھی تھے سراپا عشق اور مجسم سچائی تھے۔ حضرت امّاں جان کے آئینے میں حضرت اقدس علیہ السلام کی سیرت کی جھلکیاں دیکھ کر مجھ پر بھی صحابہ کرام کے بے پناہ عشق کے عُقدے حل ہوئے۔

آپ کی باتوں میں مبالغہ نام کو بھی نہ تھا اور مداہنت سے آپ کی گفتگو کلّیۃً نا آشنا تھی۔ لیکن تعجب اس میں نہیں۔ تعجب اس میں ہے کہ اس کے باوجود آپ کی صاف گوئی میں تلخی کا شائبہ تک نہ پایا جاتا تھا۔ یہی بات ہے جو مَیں سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں۔ تلخی سے کُلّیۃً پاک صاف گوئی اور مبالغہ اور مداہنت سے مبرّا شیریں کلام، یہ وہ معجزہ تھا جس کا نام نصرت جہاں بیگم تھا۔ بڑے بڑے صاف گو مَیں نے دیکھے ہیں لیکن کبھی ایسا نہیں دیکھا جس کی صاف گوئی بارہا تلخی اور دل شکنی کی حدوں میں داخل نہ ہو جاتی ہو۔ بلکہ اکثر صاف گو اپنی سچائی کی جولانیاں دل آزاری کی سرزمین پر ہی دکھاتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ اُن کی سچائی کا قدم لاتعداد دُکھے ہوئے دلوں کو مسلتا ہُوا آگے بڑھتا ہے اور دل آزاری کے بغیر وہ سچائی کی راہ میں ایک قدم بھی آگے بڑھانے کا سلیقہ نہیں رکھتے۔

حضرت امّاں جان ایسی نہ تھیں۔ اُنہوں نے تو سچائی کے سبق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتب میں پڑھے تھے۔ تکبّر سے عاری۔ فخر سے پاک۔ دل شکنی کے کانٹوں سے مبرّا۔ سچائی جو پھول کی پتیوں کی طرح نرم خوشبوئیں بکھیرتی ہوئی دلوں پر گرتی تھی اور نفرت کی بجائے محبت سے اُنہیں فتح کرتی تھی۔

مَیں نے بڑے بڑے نرم گفتار۔ دوسروں کے جذبات کا خیال رکھنے والے۔ ملائم کلام کرنے والے دیکھے ہیں۔ لیکن ایسا کم دیکھا جس نے کبھی اس نرم گفتاری کی قیمت مبالغے یا جھوٹ کے سکوں میں ادا نہ کی ہو۔ اور ایسا کوئی نہیں دیکھا جس نے نرم گفتاری کے سوا زندگی بھر کوئی اور کلام ہی نہ کیا ہو۔ ہاں ایک حضرت امّاں جان ایسی دیکھیں جن کی زندگی میں اگر کوئی تصنّع کا شائبہ تھا تو سختی میں تھا۔ یعنی ان معنوں میں کہ جب سخت کلامی کی کوشش کرتی تھیں تو بات بنتی نہ تھی اور بچہ بچہ سمجھتا تھا کہ بس باہر یونہی نام ہی ہے سختی کا۔ اندر تو نام کو بھی سختی نہیں۔ (آپ کی) سختی پر دل نہیں دُکھتا تھا ہنسی آتی تھی۔ رحم آتا تھا غصّہ نہیں۔ اُن کے غصّہ پر پیار آتا تھا۔

لیکن جسے مَیں زبان کی لاچاری کے باعث مصنوعی غصّہ کہہ رہا ہوں اس میں بھی جھوٹ کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا تھا۔ نہ تکلّف تھا۔ نہ بناوٹ محض غصّہ طاری کرنے کی ایک ناکام کوشش تھی۔ ایک بے بسی کا سا عالم تھا۔ جسمیں بناوٹ کی بجائے سادگی پائی جاتی تھی۔ ایسی سادگی جس پر پیار آتا تھا۔ ایسا پیار کہ دل چاہتا تھا کہ بس (اُس) "واری واری" جائے۔ بات یہ تھی کہ بڑے خلوص اور سچائی کے ساتھ ایسی جگہ جہاں غصّہ آنا چاہیئے۔ آپ غصّہ ہونے کی کوشش کرتی تھیں۔ لیکن دکھاوے کا نہیں۔ عقلی تقاضے کی پیداوار۔ یہ غصّہ اصل غصّہ کی طرح تو نہیں ہو سکتا تھا۔ اندر

دل اُسی طرح نرمی اور شفقت سے بھرا رہتا۔ بلکہ اس خیال سے ترساں کہ کہیں غصّہ میں اس حد سے ایک قدم آگے نہ بڑھ گئی ہوں جہاں تک بڑھنا اصلاح کے لئے از بس ضروری تھا۔ پھر غصّہ کے اس اظہار کے بعد بلا استثناء ہمیشہ اس خیال کا دل پر غالب آجانا کہ محض اصلاح کی خاطر مَیں جس سے ناراض ہوئی تھی اب اُس کی دلداری بھی تو ضروری ہے۔ پھر مختلف بہانوں سے اس کی دلداری کرنا کہ ظاہر بھی نہ ہو کہ دلداری کی جا رہی ہے۔ آپ کے وصال کو تیس۳۰ سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ لیکن آج تک یُوں لگتا ہے جیسے مَیں آپ کی سیرت کے خدّ و خال کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے کوئی پہاڑی چشمے کے شفاف پانی کی تہہ میں جگمگاتے ہوئے جواہر کو دیکھ رہا ہو۔ آپ کا مزاج ایک شفاف چشمے کی طرح تھا جس (میں) کہ کوئی بناوٹ۔ کوئی تکلّف۔ کوئی تصنّع کی مَیل نہ تھی۔ کوئی پردہ نہ تھا۔ صاف ڈھلی ہوئی فضاء جس کے آرپار دکھائی دیتا تھا۔ آپ کا فطری حجاب بھی آپ کی خوبیوں پر پردہ ڈالنے سے عاری تھا اور یہ مصرعہ خوب صادق آتا تھا کہ ؎

یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

یہ ضروری نہیں کہ کوئی غُصیلا اور خشمگیں ہی ہو تو اس کا لوگوں پر رُعب پڑے۔ بلکہ برعکس قصّہ ہے۔ سچا رعب تو کسی شخصیت کو عظمتِ کردار کے ذریعہ عطا ہوتا ہے۔ حضرت امّاں جان کو اس رُعب سے وافر حصّہ ملا تھا۔ اور بچے آپ کے سامنے جا کر اپنی سب شوخیاں بُھول جاتے تھے اور سراپا ادب ہو جاتے تھے۔

ایک دفعہ اپنے دو بھائیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے مَیں آگے آگے بھاگ رہا تھا اور وہ میرے پیچھے پیچھے پیچھا کرتے مجھے پکڑنے کے لئے دوڑے چلے آرہے تھے۔ راستے میں حضرت امّاں جان کا صحن پڑتا تھا۔ اس طرح دوڑتے ہوئے جب مَیں حضرت امّاں جان کے صحن میں داخل ہُوا تو حضرت امّاں جان برآمدے میں تشریف فرما تھیں۔ یہ سمجھ کر کہ وہ دونوں مجھے مارنے کے لئے پیچھا کر رہے ہیں، بلند آواز سے فرمایا۔ خبردار! جو تم نے اس کو کچھ کہا۔ یہ آواز سُنتے ہی وہ دونوں تو اُلٹے پاؤں لَوٹ گئے۔ اور مَیں نے اپنے قدم روک لئے۔ جس پیار اور احترام کے رُعب کا مَیں ذکر کر رہا ہوں۔ یہ اس کی ایک چھوٹی سی مثال ہے۔

نہ ان دونوں نے یہ کہنے کی جرأت کی کہ امّاں جان! ہم تو کھیل رہے ہیں۔ مارنے تو نہیں لگے۔ نہ مجھے کچھ کہنے کا حوصلہ ہُوا۔ خاموشی اور ادب کے ساتھ از خود وہی کچھ کیا جو امّاں جان چاہتی تھیں۔ وہ دونوں چُپ چاپ مُسکراتے ہوئے واپس چلے گئے۔ اور مَیں حضرت امّاں جان کے بُلانے پر آہستہ آہستہ آپ کے قریب ہُوا۔ بڑے پیار سے فرمایا۔ یہ لو چونّی اور جا کر کچھ کھا لو۔ اور یہ کہتے ہوئے ایک چاندی کی چمکتی ہوئی چونّی میرے ہاتھ پر رکھ دی۔ دوسرے دونوں بھائی بھی ساتھ کے گھر سے یعنی حضرت امّی جان ۔۔ حضرت اُمّ ناصرؓ ۔۔ کے گھر سے سلاخوں میں سے جھانک رہے تھے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے مَیں اپنی طرف سے خوش خوش سیڑھیاں اُتر کر اکیلا بازار کی طرف بھاگنے لگا تو آگئے وہ دونوں اس تبرّک میں اپنا حصّہ بٹانے کے لئے موجود ۔۔

یہ چونّی جس کی مَیں بات کر رہا ہُوں اپنی قدر و منزلت کے لحاظ سے تو جو تھی وہ تھی ہی۔ اپنی ظاہری قیمت میں وہ چونّی نہ تھی جیسے ہم آج کی زبان میں چونّی کہتے ہیں آج کل ربوہ میں مزدور کی مزدوری پندرہ سولہ روپے سے لے کر پچیس تیس روپے تک جاتی ہے۔ جبکہ اُن دنوں قادیان میں مزدور چھ آٹھ آنے روزانہ پر کام کرتا تھا۔ وہ چونّی قیمت خرید میں کم و بیش آجکل کے دس پندرہ روپیہ کے برابر تھی۔ لیکن یہ تو ایک ضمنی بات ہے۔ اگر وہ چونّی ایک دھیلے کے برابر بھی نہ ہوتی تب بھی اس کی یاد مجھے بہت پیاری ہے۔ وہ پیار اور محبت اور شفقت کا نشان میری یادوں کے ان لمحات کو ہمیشہ روشن اور درخشندہ رکھے۔

چونّی کے ذکر میں ایک اور چونّی کی بات یاد آگئی جس نے ایک اور دل میں بھی قسم کی ہل چل مچا رکھی ہے۔ یہ مذکورہ بالا واقعہ سے بھی پہلے کی بات ہے۔ لیکن ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہُوا میرے علم میں یہ بات آئی۔ میری ہمشیرہ امۃ الباسط کے بچپن کے زمانہ کی ایک سکول کی ساتھی صفیہ بیگم چند ہفتے قبل اپنے بیٹے کی شادی رچانے ربوہ تشریف لائیں سلہ۔ یہ آجکل سانگھڑ (سندھ) میں مقیم ہیں جہاں سالہا سال سے ان کے میاں ڈاکٹر پیر فضل الرحمٰن صاحب پریکٹس کر رہے ہیں۔ بچپن کے تعلق کی بناء پر میری ہمشیرہ سے ملنے بھی آئیں تو

پُرانی یادوں میں سب سے زیادہ دل پر اثر کرنے والا جو واقعہ سُنایا وہ بھی ایک چونّی ہی سے وابستہ تھا۔ ان کے والد حضرت حافظ غلام رسول صاحبؓ وزیر آبادی جماعت کی ایک معروف شخصیت ہیں۔ آپ وزیر آباد کے ایک کٹّر اہلحدیث خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور احمدیت سے قبل علاقہ کے ایک مشہور اہلحدیث عالم تھے۔ احمدیت میں چونکہ مختلف فرقوں سے آکر سعید روحیں اکٹھی ہوتی ہیں اس لئے باوجود اس کے کہ وحدت کی ایک ہی لڑی میں پروئی جاتی ہیں اور ایک ہی گلدستہ کی زینت بنتی ہیں۔ لیکن ؏

ہے رنگ لالہ و گل و نسریں جُدا جُدا

کے مصداق ہر ایک پُرانے فرقہ کی رنگ و بُو کی کچھ نہ کچھ باقیات ضرور رکھتا ہے۔ مکرّمہ صفیہ بیگم نے اپنے ابّا جان کے متعلق یہ بیان کیا کہ اُن پر بہت لمبے عرصہ تک اپنے سابقہ فرقے کے اثرات قائم رہے۔ لہٰذا فقہی امور میں سخت متشدّد اور سخت گیر تھے۔ یہاں تک کہ اپنے گھر میں بہو بیٹیوں کو چُوڑیاں تک نہیں پہننے دیتے تھے۔ کہتی ہیں۔ مَیں بہت چھوٹی تھی کہ میری ماں مجھے لے کر حضرت امّاں جان کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت امّاں جان نے پُوچھا یہ تمہارے ساتھ بیٹی ہے کہ بیٹا؟ تو میری اُمّی نے عرض کیا کہ بیٹی ہے۔ حضرت امّاں جان نے فرمایا کہ نہ چُوڑیاں، نہ کوئی اور زینت۔ بیٹیوں والی کوئی تو علامت ہو۔ تو اُمّی نے عرض کیا کہ میرے میاں حافظ صاحب چونکہ اہلِ حدیث میں سے آئے ہیں اس لئے سخت متشدّد ہیں۔ اور گھر میں کسی کو بھی چوڑیاں پہننے کی اجازت نہیں۔ اس پر حضرت امّاں جان نے ایک چاندی کی چونّی میری امّاں کے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا۔ جانے سے پہلے بازار سے گذرتے ہوئے بیٹی کو چوڑیاں پہنا دینا اور میاں پُوچھیں تو کہنا امّاں جان نے پہنائی ہیں۔ صفیہ بیگم کہتی ہیں۔ کہ ان دنوں چار آنے کی چوڑیوں سے کہنیوں تک دونوں ہاتھ بھر جاتے تھے۔ ہم جب اس حال میں گھر لَوٹے تو حضرت حافظ صاحب نے کڑک کر پُوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو اُمّی نے وہی کہا جو فرمایا گیا تھا۔ یہ سُنتے ہی حافظ صاحب کا غصّہ رفو چکّر ہو گیا اور سرِ ادب سے جھک گیا۔ اور پھر گھر میں ساری زندگی کسی کو چوڑیاں پہننے سے نہ روکا۔ وہ کیسا زمانہ تھا اور وہ کیسے لوگ تھے۔ تربیت اور تہذیبِ اخلاق کے وہ کیسے کیسے رنگ تھے۔ کیسی کیسی آسمانی رنگوں کو قبول کرنے کی صلاحیت ان کپڑوں میں

پائی جاتی تھی جو مسیح دوراں سے برکت پانے والے تھے۔ اور وہ وقت دُور نہیں کہ بادشاہ اُن سے برکت ڈھونڈیں گے۔ خدا کرے کہ یہ برکت اگلی نسلوں میں چلتی رہے۔ یہ رنگ نہ مٹیں۔ مدھم ہوں۔ دُنیا کی نظر میں تو ایک چونّی ہی تھی۔ لیکن آج تک اس سے پھوٹنے والی کرنوں نے ایک دل میں یادوں کے فانوس روشن کر رکھے ہیں۔

تبرّک کی بات چلی ہے تو ایک اور تبرّک کی بات یاد آگئی۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے تبرّکات کی تقسیم حضرت امّاں جان نے کیسے کی اور اولاد در اولاد میں سے کس کس خوش نصیب نے زیادہ تبرّکات حاصل کئے اور کیسے۔ یہ ایک الگ داستان ہے۔ جہاں تک بہوؤں کا تعلق ہے وہ بیٹیوں کی طرح بے تکلفی اور اپنائیت سے مانگنے کی جرأت نہیں کرتی تھیں۔ بلکہ ایک رُعب کا پردہ حائل رہتا تھا۔ میری والدہ مرحومہ کو بھی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے بے حد عشق تھا۔ اور طبعاً آپ کے تبرّکات کے لئے سخت حریص تھیں۔ لیکن مانگتے ہوئے جھجکتی تھیں۔ آخر خدا تعالیٰ نے ایک ایسا موقعہ پیدا کر دیا کہ آپ کی دیرینہ خواہش عجیب طور پر پُوری ہوئی۔

ایک دفعہ حضرت امّاں جان سے ملنے گئیں، تو معلوم ہُوا کہ حضرت امّاں جان کو فوری طور پر پینتیس ۳۵ روپے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ نے میری والدہ سے فرمایا کہ اگر ہو سکے تو مجھے پینتیس روپے قرض دیدو۔ والدہ مرحومہ نے عرض کیا کہ اگر میری ایک دلی تمنا پُوری فرما دیں تو احسان مند ہوں گی کہ اس قرض کے عوض رقم دینے کی بجائے مجھے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا لوہے کا سیف عنایت فرمائیں۔ ظاہر ہے کہ اُس سیف کی قیمت روپے پیسوں میں تو جانچی نہیں جا سکتی تھی۔ یہ محض ایک طلب کا بہانہ تھا۔ حضرت امّاں جان بھی نکتہ رس اور بے حد سخی اور شفیق تھیں۔ فوراً مان گئیں اور یہ آپ کی حُسنِ عطا ہے کہ بظاہر وہ سیف فروخت کر دیا تاکہ دستِ سوال کا پردہ چاک نہ ہو۔ یہ سودا طے تو ہو گیا اور اُمّی مرحومہ روپیہ لینے کی غرض سے گھر کی طرف چل پڑیں لیکن جانتی تھیں کہ روپیہ تو گھر میں کوئی نہیں۔ اس فکر میں غلطاں جب گھر کے صحن میں قدم رکھا تو ایک

سلہ محترمہ صفیہ بیگم صاحبہ اس مضمون کی اشاعت سے قبل جولائی ۱۹۸۵ء میں وفات پا چکی ہیں۔

خاتون نظر آئیں جنہوں نے آگے بڑھکر آنے کا مقصد یہ بیان کیا کہ وہ اُن کے پاس کچھ امانت رکھوانے آئی ہیں۔ وہ امانت کیا تھی؟ پینتیس روپے۔ پس کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سارا ماجرا تصرفِ الٰہی سے "تاریخ" رونما نہیں ہوا؟

مجھے خود بھی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے تبرکات سے محرومی کا بہت احساس تھا۔ لیکن بے بسی یہ تھی کہ یہ کئی من وزنی پُرانی طرز کا بنا ہوا لوہے کا سیف تقسیم ہند کے وقت وہیں رہ گیا تھا۔ اوّل تو اس کا لانا بہت ہی دشوار تھا اور کسی زائر کو ہمت ہی نہ پڑتی تھی کہ اسے لانے کی حامی بھرے دوسرے وہ سب کچھ جو پیچھے رہ گیا تھا وہ تو اب ہمارا نہیں رہا تھا بلکہ دیارِ مسیح کے درویشوں کا ہو چکا تھا۔ دوسری دقت تو بآسانی اس طرح حل ہو گئی کہ عبد الحمید صاحب عاجز سے جو ہمارے گھر کے اس حصہ میں مقیم تھے جہاں یہ سیف پڑا ہوا تھا میرے احمدیہ ہوسٹل لاہور کے زمانہ کے قریبی تعلقات تھے۔ انہوں نے میری درخواست پر بخوشی مجھے وہ سیف دینے کی حامی بھر لی۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ منگوانے کا انتظام میں خود کروں۔ سالہا سال اس کوشش میں گذر گئے۔ مگر میں اسے منگوانے میں ناکام رہا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے میری بیچارگی پر رحم فرماتے ہوئے محترم مولوی ظہور حسین صاحب سابق مبلغ روس کے صاحبزادہ ظفر کریم کو میری مشکل کشائی پر مامور فرما دیا بڑی ہمت کے ساتھ انہوں نے سارے انتظامات کئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے راستے کی سب روکیں اٹھا دیں۔ ایک دوپہر ات گئے اچانک دروازہ کھٹکا۔ دیکھا تو ظفر کریم سیف لیکر آئے ہیں۔ ٹیکسی سے اسے اُتارنا اور گھر میں منتقل کرنا دو تین آدمیوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ بس اُسی وقت اپنی ہمشیرہ امۃ الحکیم کے بچوں کو جگایا اور رسم سے حل کردہ تقدس کا کوئی رنگ تو اس سودے میں نہیں پایا جاتا تھا۔

سیف اپنے پیارے مسیح پاک کی نشانی گھر میں منتقل کی۔ باقی دنیا میں تو دوسرے دن صبح سورج طلوع ہوا ہوگا ہمارے ہاں تو اُسی رات اُسی وقت سورج طلوع ہو چکا تھا بڑی پُربہار بڑی دلنواز صبح تھی جس نے ہمارے گھر کو روشن کر دیا۔ اللہ تعالیٰ عبد الحمید صاحب عاجز کو اور عزیزم ظفر کریم سلمہا کو دنیا اور آخرت میں بہترین جزا عطا فرمائے جنہوں نے مجھے یہ خوشیوں کا دن دکھایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ پیارا تبرک حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کی شفقت کی بھی ایک پائندہ یادگار ہے اللہ تعالیٰ آپ پر بیشمار رحمتیں نازل فرمائے۔ پینتیس روپے میں اس تبرک کا سودا! اللہ اللہ کیا شان ہے! مگر بازارِ مصر میں حضرت یوسفؑ کو بھی تو فروخت کیا گیا تھا۔ مگر وہ فروخت کرنے والے تو قیمت سے نا آشنا تھے۔ لعسان ۵

اللّٰھم صلّ علیٰ محمّد و آلِ محمّد و بارک وسلّم انّک حمیدٌ مجید

نعت

امن کے پیغامبرؐ تجھ پر سلام

؞ ـــ ؞	علامت معانقہ
ـــ	جاری ہے۔

نعت گردوں میں مرا بھی نام ہو
عمر ساری نعت کہنا کام ہو
محسنِ انسانیت کی شان میں ـــ

؞ نعت میرے دل پہ بھی الہام ہو ؞
روز و شب، ہر صبح ہو ہر شام ہو

بس یہی ہے آرزو میرے خدا!
تیری قدرت سے ہو یہ نعمت عطا
عمر بھر کہتا رہوں، لکھتا رہوں

؞ سیرتِ خیر البشرؐ، شمس الضحیٰ ؞
مرحبا! صلّے علےٰ۔ صلّے علےٰ

مرحبا! اے رحمۃٌ للعٰلمینؐ
تیری سیرت سب حسینوں سے حسین
انبیاء سب تیری منت کش ہیں ـــ

؞ سارے دینوں پر ہے غالب تیرا دین ؞
شانِ خاتم! تو ہے ختم المرسلینؐ

شرعِ کامل تجھ پہ نازل ہو گئی
خیرِ اُمت اس کی حامل ہو گئی
جانبِ حق دل سے مائل ہو گئی۔

؞ تیرے اُسوہ پر جو عامل ہو گئی ؞
فتح و نصرت اس کو حاصل ہو گئی

اے امامِ اوّلین و آخرینؐ
اے سراجِ انبیاء و مرسلینؐ
"روحِ حق" سرِّ الٰہی کے امین ـــ

؞ تو ہی ہے محبوبِ ربُّ العٰلمین ؞
خیرِ اُمت کیوں ہے دُنیا میں حزین

کیوں اندھیری رات ہے اتنی دراز
کیوں ہے ابلیسوں میں پھر راز و نیاز
جبر و اکراہ پر ہے کیوں یہ فخر و ناز ـــ

؞ کیوں خلافِ دین ہے یہ ساز باز ؞
دِل حزیں عشاق ہیں شاہِ حجاز!

نُور و ظلمت کا تخاصم ہے سدا
روز و شب کا ساتھ ہے از ابتدا
تا ہو مخلص غیر مخلص سے جدا ـــ

؞ شرع میں کہتے ہیں اس کو اِبتلا ؞
قلبِ مومن اس سے پاتا ہے جِلا

امن کا مذہب فقط اسلام ہے
صُلح کی تعلیم اس میں عام ہے
زندگی بخشندہ بس یہ جام ہے

؞ جبر و اکراہ سے دبا ہے حق کبھی؟ ؞
یہ فقط اُن کا خیالِ خام ہے

اے شہِ والا گہرؐ تجھ پر سلام
رہنما و دیدہ ور تجھ پر سلام
راہِ امن و آشتی ہموار کی ـــ

؞ محسنِ جنّ و بشرؐ تجھ پر سلام ؞
امن کے پیغامبرؐ تجھ پر سلام

(محتاجِ دعا، خاکسار: عبد الرحیم راٹھور)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبۂ تبلیغ

از مکرم مولانا غلام باری صاحب سیف۔ ربوہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ حبیب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ○

(المائدہ آیت ۶۸)

اے رسول تیرے رب کی طرف سے جو تجھ پر نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔ اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں عطا کرتا۔

اس آیت میں کتنا زور اور تاکید ہے اور تبلیغ کے ردّ عمل اور خدا کی تائید اور حفاظت کا بھی ذکر ہے کہ خدا کے پیغمبر جب اس کا پیغام پہنچاتے ہیں تو ابنائے دُنیا ان کے درپے آزار ہی ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی اور اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ اپنے چچا زاد ورقہ بن نوفل کو بلا کر لائیں تو انہوں نے کہا ہاں! ان پر تو اسی طرح وحی نازل ہوئی ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اور پھر کہا اے کاش میں اس دن جوان ہوتا جب آپ کی قوم اے محمدؐ آپ کو مکّہ سے نکال دے گی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے فرمایا کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں، جو پیغام آپ لے کر آئے ہیں جو بھی اس پیغام کو لایا اسے اذیت دی گئی اور لوگ اس کے دشمن ہی بنے۔

اس لیے فرمایا اللہ آپ کی حفاظت کرے گا۔ یہ تو اس فریضہ کی بجاآوری کی وجہ سے آپ کی جان کے لاگو ہوں گے لیکن خدا آپ کو ان کے منصوبوں سے محفوظ رکھے گا آپ ہر کس و ناکس تک خدا کا یہ پیغام پہنچائیں۔ جن کی فطرت سعید ہے وہ اس پیغام کو دل و جان سے قبول کریں گے۔ لیکن جس کی قسمت میں ہدایت نہیں۔ اس نے انکار پر کمر باندھ رکھی ہے اسے اللہ ہدایت نصیب نہیں کرے گا۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جو یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ چھپایا جو خدا نے نازل کیا۔ وہ جھوٹا ہے کہ خدائی ارشاد تھا

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ

کہ جو تیری طرف نازل کیا گیا اسے لوگوں تک پہنچا دیجئے۔ (بخاری کتاب التفسیر)

اور ایک لاکھ سے متجاوز صحابہ نے ۹ ذی الحج کو عرفات کے میدان میں یہ گواہی دی کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے پیغام کو پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ واقعہ یوں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر نمرہ مقام پر جہاں اب مسجد بنا دی گئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا۔ جس میں آپؐ نے فرمایا:-

لوگو! شاید آج کے بعد اس مقام پر تم مجھے نہ سن سکو۔ دیکھو کسی عربی کو عجمی پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت کا باعث صرف تقویٰ ہے۔

اور بہت کچھ آپ نے نصائح فرمائیں پھر فرمایا:-

لوگو! قیامت کے دن خدا تم سے پوچھے گا۔ کیا میں نے خدا کا پیغام تمہیں پہنچا دیا؟

تین بار آپؐ نے یہ فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جواب دیا ہاں آپؐ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا۔ تب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف انگلی اُٹھائی اور کہا

اے اللہ گواہ رہنا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا۔

خدا کے پیغامبر اس کا پیغام پہنچاتے ہیں اور بلا خوف لومۃ لائم پہنچاتے ہیں۔ خدائی تائید اور وعدے ان کے شامل حال ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ کسی دنیوی طاقت سے مرعوب نہیں ہوتے کسی کی ہیبت انہیں اس فرض سے روک نہیں سکتی کہ ان کا تعلق صاحب جلال و عظمت خدا سے ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ میں جب توحید کی ندا بلند کی تو بتوں کے پجاری لات و عزیٰ کے پرستار مشتعل ہو گئے۔ سعید روحیں آپ کے گرد جمع ہونا شروع ہوئیں۔ کفار ان کو بھی ظلم کا تختۂ مشق بناتے۔ وہ ہر چھوٹے بڑے پر ظلم کا حربہ آزماتے۔ اگر بلال پر سختیاں کرتے تو سیدنا ابو بکرؓ کے بھی سر اور داڑھی کے بال نوچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا آپؐ کی چادر سے گھونٹا۔ سر مبارک پر خاک ڈالی سجدہ کی حالت میں تھے تو ظالموں نے اونٹنی کی گندی اور بھاری بچہ دانی آپؐ کی پُشت پر رکھ دی۔ طعن و تشنیع کرتے۔ آوازے کستے مسلمان ہونے والوں کو گلیوں میں گھسیٹتے۔ ان کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ کہتے تھے خدا ایک ہے لیکن یہ سختیاں انہیں توحید کے نعرے بلند کرنے سے نہ روک سکیں۔ بلالؓ کی پُشت پر جب کوڑے برستے تو کوڑے کی تڑاخ کی آواز کے ساتھ ہی بلال کی زبان احد احد۔ اللہ ایک ہے۔ اللہ ایک ہے کا نعرہ بلند کرتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار [illegible] اور رشتہ داروں کے پاس وہ وفود کی صورت میں گئے ترغیب و ترہیب دونوں حربے انہوں نے اختیار کیے۔ لیکن تبلیغ جاری رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا پیغام پہنچاتے ہی رہے۔

ایک روز حضرت عروہ بن زبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے پوچھا۔ آپ نے قریش کی سب سے بڑی مخالفت کیا دیکھی؟ عبداللہ بن عمروؓ نے جواب دیا۔ کفار قریش ایک روز مقام حجر پر اکٹھے ہوئے اور شور کرنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے لوگوں کو ورغلاتا، ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتا ہے۔ ہم نے بڑا صبر کیا اس کا کچھ تدارک ہونا چاہئیے۔ وہ یہ باتیں کر رہے تھے کہ ادھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے خانہ کعبہ کا طواف شروع کیا۔ کفار قریش ہاتھ ہلا ہلا کر زبان طعن دراز کر رہے تھے حضور طواف کعبہ سے فارغ ہوئے۔ تو ان کے پاس آئے۔ انہیں خدا کی توحید اس کی عظمت و کبریائی اور بتوں کی بے بسی کا وعظ کیا۔ وہ ہمہ تن گوش ہو گئے۔

اگلے روز پھر وہ اکٹھے ہوئے۔ اور ان میں سے ایک باقی سب سے مخاطب ہو کر بولا۔ عجیب بات ہے تم لوگ ان کی عدم موجودگی میں ان کے خلاف باتیں کرتے ہو۔ جب وہ سامنے آتے ہیں تو تم چپ ہو جاتے ہو۔ وہ یہ باتیں کر رہے تھے کہ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ایک شخص ان میں سے آگے بڑھا اور کہا

انت الّذی تقول کذا وکذا

تو ہے جو یہ باتیں کہتا ہے آپ نے فرمایا ہاں میں ہی ہوں جو یہ کہتا ہوں۔ اس پر اس بدبخت نے آپؐ کی چادر سے آپ کے گلے کو گھونٹنا شروع کیا حضرت ابو بکرؓ نے یہ ماجرا دیکھا تو ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان آ گئے اور کہا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ کہ تم اسی لیے اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو کہ یہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ اس پر ان بدبختوں نے آنحضورؐ کو چھوڑا

ایک روز قریش کا ایک احمق اُٹھا، [illegible] حضور کے سر مبارک پر خاک ڈالی۔ حضور گھر تشریف لائے آپ کی صاحبزادی آپؐ کا سر دھوتی تھی اور روتی جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹی نہ رو۔ خدا تیرے باپ کو ان سے حفاظت کرے گا۔

لیکن یہ تکالیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فریضۂ تبلیغ سے روک نہ سکیں۔ مؤرخ ابن ہشام لکھتا ہے:

مضٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ما ھو علیہ یظھر دین اللہ

خدا کا پیغامبر اپنے اسی راستہ پر گامزن رہا۔ تاکہ خدا کا دین غالب ہو جب کفار نے حضور کی یہ ثابت قدمی دیکھی تو وہ ایک دن اکٹھے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کے ہاں پہنچے۔ چچا نے اپنے بھتیجے کو بھی بلا لیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دفد کو یہاں بھی تبلیغ شروع کر دی آپ نے فرمایا:۔

”ایک بات تمہیں کہتا ہوں اسے مان لو گے تو عرب و عجم کے مالک ہو گے۔ خدا کی توحید کا اقرار کر لو۔“

اس پر وہ اور بھی جز بز ہوئے اور حضرت ابو طالب کو کہا آپ درمیان سے ہٹ جائیں ہم خود ہی ان سے نپٹ لیں گے۔

چچا نے ان کے یہ تیور دیکھے تو کہا خالق علی دعلی نفسک بھتیجے! مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کرو۔ تب کفار قریش نے ترپ کا دوسرا پتہ پھینکا اور کہا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ کو بادشاہ بننے کی خواہش ہے یعنی لیڈر بننا چاہتے ہو تو ہم عرب کا تاج آپ کو پہنانے کیلئے تیار ہیں۔ اگر دولت کے خواہاں ہو تو سیم و زر کے ڈھیر تمہارے قدموں میں لگانے کو تیار ہیں۔ اگر حسین عورت کے طالب ہو تو عرب کی حسین ترین عورت تجھے دینے پر آمادہ ہیں۔ تم ہمارے بتوں کی برائی کرنا چھوڑ دو۔

خدا کے پیغامبر اس مبلغ اعظم نے جواب دیا:۔

لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علیٰ ان اترک ھذا الامر حتی یظھر اللہ او اھلک فیہ ما ترکتہ۔

اگر یہ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند لا کر رکھ دیں اور کہیں کہ میں خدا کے پیغام کو نہ پہنچاؤں تو یہ نہیں ہو سکتا۔ میں خدا کا پیغام پہنچاؤں گا خواہ مجھے یہ جان سے مار دیں۔

چچا نے یہ عزم دیکھا تو کہا:۔

میرے بھتیجے جا! جو تو ٹھیک سمجھتا ہے کہہ۔ خدا کی قسم میں تجھے کبھی ان کے سپرد نہیں کروں گا۔

جب مکہ والوں نے خدا کی آواز پر کان نہ دھرے تو مکہ سے جانب جنوب مشرق پچاس میل کا فاصلہ طے کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی بستی پہنچے۔ یہاں کی زمین بہت زرخیز تھی۔ لوگ خوشحال تھے۔ دس دن تک یہاں رک کر حضور نے ایک ایک گھر تک خدا کا پیغام پہنچایا۔ اور آخر میں یہاں کے سردار ”عبد یا لیل“ نامی کو اسلام کی دعوت دی۔ اس ظالم سردار نے استہزاء کا طریق اختیار کیا اور بستی کے اوباشوں کو پیچھے لگا دیا۔ اور کہا اس بستی سے نکل جا!

ظالموں نے جھولیوں میں پتھر بھر لئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسانے شروع کئے۔ تین میل تک انہوں نے آپ کا تعاقب کیا۔ پتھر لگنے سے میرے آقا لہولہان ہو گئے کچھ دور مکہ کے سردار عتبہ کا باغ تھا وہاں پہنچ کر خون دھویا اور درخت سے ٹیک لگا کر خدا سے یوں التجا کی۔

”اے اللہ! میں اپنی کمزوری۔ وسائل کی قلت، اور لوگوں کے مقابل اپنی بے بسی کی تیرے حضور شکایت کرتا ہوں۔ اے میرے اللہ! اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے کمزوروں کا تو ہی مولا ہے۔ میرا تو ہی کارساز ہے۔ تو مجھے کس کے سپرد کریگا۔ پروردگار! کیا تو نے میرا معاملہ دشمن کے سپرد کر دیا ہے؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے ان تکالیف کی پرواہ نہیں۔ کہ تیرا دامن عافیت میرے لئے وسیع ہے۔ مجھے قسم ہے تیرے روشن چہرے کی جس سے ظلمات دور ہوئیں اور دین و دنیا درست ہو گئی۔ تو مجھ سے ناراض نہ ہو۔ مجھے تیری رضا درکار ہے اور تیرے لئے کسی کو کوئی قوت و طاقت نہیں۔“

ان ظالموں کی سنگدلی اور ظلم کا تصور کیجئے۔ اور اس برگزیدہ رسول محبوب خدا کی عظمت کا اندازہ کیجئے وہ جو تخلیق کائنات کی علت غائی ہے اس کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ ایسی حالت میں حاضر ہوتا ہے کہتا ہے اے رسول! اگر آپ اجازت دیں تو طائف کے مکین جو پہاڑوں کے درمیان بسنے ہیں پہاڑ ٹکرا کر پیس کر رکھ دوں ـــــ حضور نے فرمایا، نہیں اور پھر دعا فرمائی۔

اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے۔ یہ جانتے نہیں ایک دن آئے گا یہ لوگ مجھے قبول کریں گے۔

بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ ابتداءِ دعوئ نبوت میں جب یہ آیت اتری۔

وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ

اے رسول اپنے قبیلہ اور قریبی رشتہ داروں کو انتباہ کیجئے۔ انہیں خدا کا پیغام پہنچایئے۔ تو آپ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور ایک ایک قبیلہ کو آواز دی۔ اے بنو فلاں! اے فلاں! لوگ اکٹھے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا ہاں۔ کیونکہ ہم نے آپ کو سچ بولتے ہی دیکھا ہے۔ تب آپ نے فرمایا:۔

میں خدا کا پیغامبر ہوں اور تمہیں اس کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ اگر اس پر کان نہ دھرو گے تو تباہ و برباد ہو گے۔

اس پر ابو لہب نے کہا۔ تیرا برا ہو۔ تو ہلاک ہو کیا تو نے اس لئے ہمیں جمع کیا تھا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّ تَبَّ

آپ کی ہلاکت کا خواہاں ابو لہب خود ہلاک و برباد ہو گا۔ اس کی بیوی کا رسہ سے گلا گھونٹا جائے گا۔

چنانچہ خدا کی یہ بات پوری ہوئی وہ دونوں ہی برباد ہوئے اور ان کے بچے کو شیر نے پھاڑ کھایا۔

خدا کے پیغامبر صرف پیغام ہی نہیں پہنچاتے وہ اس پیغام کی کامیابی کیلئے ہر سعی فرماتے ہیں وہ اپنے پروردگار سے ان کی ہدایت کے لئے دعا بھی کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ آپ کی دعا کے ہی نتیجہ میں مسلمان ہوئے ایک رات پہلے آپ نے خدا سے یہ دعا کی تھی۔ اے پروردگار یا ابو جہل کو اسلام سے مشرف فرما یا عمر بن خطاب کو ـــــ اور پھر تاریخ گواہ ہے عمرؓ کس ارادے سے گھر سے نکلے اور کیا بن کر لوٹے اور ان کے ذریعہ پھر اسلام اور مسلمانوں کو کیا تقویت پہنچی۔ ان کے اسلام لانے کے بعد پہلے روز حرم میں مسلمانوں نے کھلے بندوں نماز ادا کی۔

ابو ہریرہؓ کی والدہ آپ کی دعا سے مسلمان ہوئیں۔ وہ ابو ہریرہؓ کی تبلیغ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے لگ جاتی۔ ایک روز انہوں نے اس ضمن میں ابو ہریرہ کی کچھ زیادہ ہی دلآزاری کی۔ ابو ہریرہؓ حضور کی خدمت میں شکایت لے کر آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے پروردگار! ابو ہریرہؓ کی ماں کو ہدایت نصیب فرما ـــــ ابو ہریرہؓ گھر آئے تو کواڑ بند تھے۔ اندر سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ ماں نے دروازہ کھولا تو کہا۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ

ابو ہریرہؓ کا قبیلہ دوس، آپ کی دعا سے ہی مسلمان ہوا۔ طفیل دوسی ان کے لئے بددعا کروانے آیا تھا کہ حضور یہ اسلام قبول نہیں کرتے۔ حضور نے دعا کی یا اللہ دوس قبیلہ کو ہدایت دے اور انہیں لے آ اسلام کی آغوش میں۔ اور اگلے سال دوس کے ستر آدمی طفیل کے ساتھ اسلام لانے کے لئے مدینہ آ گئے۔

ماموروں کی سب سے بڑی کوشش دعا ہی ہوتی ہے جب وہ دنیوی تدابیر اختیار کر چکتے ہیں تو پھر وہ دعا پر کمر باندھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی لئے بیت الدعا بنوایا تھا اور آپ نے ٹھیک ہی تو فرمایا تھا:۔

”وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے ...... کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا۔“ (برکات الدعا صفحہ ۱۰)

آپ نے بادشاہوں کو بھی خدا کا پیغام پہنچایا۔ گداؤں کو بھی غریبوں کو بھی۔ دولتمندوں کو بھی۔ غلاموں کو بھی آقاؤں کو بھی۔ مردوں کو بھی عورتوں کو بھی۔ بچوں کو بھی بوڑھوں کو بھی۔

آنحضور نے تبلیغ اسلام کے لئے بادشاہوں کو خط لکھے، ایلچیوں کے ذریعہ بھجوائے۔ جس نے شوخی دکھائی وہ خدا کے غضب کا شکار ہوا جس نے قبول کیا یا ہمدردی کا رویہ اختیار کیا خدا نے اس سے رحم کا سلوک فرمایا۔

آپ کے جذبۂ تبلیغ کا اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان الفاظ میں ذکر فرماتا ہے:۔

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔ (شعراء:۴)

کہ ان کے ہدایت نہ پانے کی وجہ سے شائد آپ اپنی مساعی میں جان کھو بیٹھیں۔

عزیزو! اب تکمیل دین ہو چکی اب تکمیل اشاعت دین کا دور ہے اور یہ اشاعت، اسلام کا غلبہ خدا کی تقدیر ہے جو خدا کی تائید، نیک نمونہ، دعاؤں، حسن اخلاق، خدمت خلق اور ہمدردی بنی نوع انسان اور محبت سے کی جائے گی۔ اسلام کی ترقی کیلئے وہی طریق اختیار کرنا ہو گا جو صحابہؓ اور ہمارے آقا نے اختیار فرمایا۔

اپنے پیارے امام کے یہ الفاظ ہمیشہ سامنے رکھو جو آپ نے شہید ابن شہید ڈاکٹر مظفر شہید کی شہادت پر فرمائے۔

”تبلیغ اسلام کی جو جوت میرے مولا نے میرے دل میں جگائی ہے اور آج ہزارہا احمدی سینوں میں یہ لو جل رہی ہے اس کو بجھنے نہیں دینا۔ اس کو بجھنے نہیں دینا۔ تمہیں خدائے واحد و یگانہ کی قسم اس کو بجھنے نہیں دینا۔ اس مقدس امانت کی حفاظت کرو۔

میں خدائے ذوالجلال والاکرام کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم اس شمع نور کے امین بنے رہو گے تو خدا اسے کبھی بجھنے نہیں دے گا۔ یہ لو بلند تر ہو گی اور پھیلے گی اور تمام تاریکیوں کو اجالوں میں بدل دے گی۔“

پروردگار! ہم تیرے کمزور بندے تجھ سے بھیک مانگتے ہیں کہ اسلام کی جو جوت ہمارے آقا کے دل میں تو نے اپنے فضلوں سے جگائی۔ ہمارے سینوں میں بھی وہ آگ روشن کر دے۔ تبلیغ کے لئے جو درد اور تڑپ آپ کے مقدس دل میں رہا ہے۔ اس میں سے ہمیں بھی حصہ عطا فرما! تا تیرے دین متین کی کما حقہٗ اشاعت کر سکیں۔ آمین یا رب العٰلمین ؎

قسط دوئم (آخری)

دُنیائے مذاہب کے سنسنی خیز انکشافات

کیا عالمِ اسلام اب بھی خاموش تماشائی بنا رہے گا؟

از مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد مؤرخِ احمدیت۔ ربوہ

شرمناک افتراء پردازیاں

خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی کہ :-

سَیَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ یَاْتُوْنَکُمْ مِنَ الْاَحَادِیْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا۔

کہ آخری زمانہ میں دجال اور جھوٹے لوگ پیدا ہو جائیں گے۔ جو تم مسلمانوں کے سامنے ایسی باتیں پیش کریں گے کہ جو تم نے سُنی نہ ہوں گی۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ محمد طاہر گجراتی اپنی مشہور کتاب "مجمع بحار الانوار" میں لفظ "دجل" کے ماتحت لکھتے ہیں

اَیْ جَمَاعَۃٌ مُزَوِّرُوْنَ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ عُلَمَاءُ وَمَشَائِخُ نَدْعُوْکُمْ اِلَی الدِّیْنِ وَھُمْ کَاذِبُوْنَ فِیْہِ وَیَتَحَدَّثُوْنَ بِالْاَکَاذِیْبِ وَیَبْتَدِعُوْنَ اَحْکَامًا بَاطِلَۃً وَاِعْتِقَادًا فَاسِدَۃً فَاِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ اَیْ احْذَرُوْھُمْ

اس حدیث میں ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جن کا پیشہ ہی یہ ہو کہ وہ جھوٹی باتیں بنائیں وہ کہیں گے۔ کہ ہم علماء اور مشائخ ہیں ہم تمہیں دین کی طرف دعوت دیتے ہیں حالانکہ وہ اس امر میں بھی جھوٹ بول رہے ہوں گے۔ وہ جھوٹی باتیں بیان کریں گے ؛ اور باطل احکام گھڑیں گے۔ اور فاسد عقائد پیش کریں گے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اے مسلمانو! ان سے بچ کر رہنا۔

زیرِ نظر رسالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے ظہور کا منہ بولتا ثبوت ہے بطور نمونہ چند شرمناک مفتریات کا ذکر کیا جاتا ہے :-

پہلا افتراء :- (رسالہ صفحہ ۸) پر یہ کیا گیا ہے۔ کہ احمدی حضرت مرزا صاحب کو افضل الرسل سمجھتے ہیں : یہ اس صدی کا غالباً سب سے بڑا بہتان ہے، جو باندھا گیا ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا واضح بیان ہے کہ :

"میرا مذہب یہ ہے۔ کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الگ کیا جاتا اور کل نبی جو اس وقت تک گزر چکے تھے۔ سب کے سب اکٹھے ہو کر وہ کام اور اصلاح کرنا چاہتے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی، ہرگز نہ کر سکتے۔ اُن میں وہ دل وہ قوت نہ تھی۔ جو ہمارے نبیؐ کو ملی تھی۔ اگر کوئی کہے۔ کہ یہ نبیوں کی معاذ اللہ سوءِ ادبی ہے۔ تو وہ نادان مجھ پر افتراء کرے گا۔ میں نبیوں کی عزت اور حرمت کرنا اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہوں لیکن نبی کریمؐ کی فضیلت کل انبیاء پر میرے ایمان کا جزوِ اعظم ہے۔ اور میرے رگ و ریشہ میں ملی ہوئی بات ہے۔ یہ میرے اختیار میں نہیں کہ اس کو نکال دوں۔ بدنصیب، اور آنکھ نہ رکھنے والا مخالف جو چاہے سو کہے۔ ہمارے نبی صلعم نے وہ کام کیا ہے جو نہ الگ الگ اور نہ مل کر کسی سے ہو سکتا تھا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ

(ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۱۷۴)

دراصل بات یہ ہے۔ کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا ایک الہام ہے :

"آسمان سے کئی تخت اُترے مگر تیرا تخت سب سے اُونچا بچھایا گیا۔"

اس الہام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی نبی سے افضلیت کا دعویٰ نہیں، بلکہ اس زمانہ کے سربراہان مملکت سے رُوحانی اقتدار میں بڑھ کر ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ امام الزمان کی رُوحانی حکومت کا تخت اپنے دور کی مادی حکومتوں سے یقیناً اونچا ہوتا۔

مگر مصنف رسالہ نے اس واضح حقیقت کے باوجود محض افتراء سے کام لیا ہے اور اس الہام پر عنوان قائم کر ڈالا کہ : "مرزا افضل الرسل" فلعنۃ اللہ علی الکٰذبین۔

دُوسرا افتراء :- حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اس زمانہ کے وہ بطلِ جلیل ہیں جنہوں نے یہ پُرشوکت منادی فرمائی ہے کہ قرآن مجید کا ایک نقطہ اور شعشہ بھی قیامت تک منسوخ نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ فرمایا :-

"قرآن مجید خاتم الکتب ہے۔ اس میں اب ایک شعشہ یا نقطہ کی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔"

(ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۲۴۵)

"قرآن کا ایک نقطہ یا شعشہ بھی اوّلین اور آخرین کے مجموعی حملہ سے ذرہ سے نقصان کا اندیشہ نہیں رکھتا۔ وہ ایسا پتھر ہے کہ جس پر گرے گا اس کو پاش پاش کر دے گا۔ اور جو اس پر گرے گا وہ خود پاش پاش ہو جائے گا۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۲۵۷ حاشیہ)

نیز فرمایا :-

"اب کوئی اور کلمہ یا کوئی اور نماز نہیں ہو سکتی جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا کر کے دکھایا اور جو کچھ قرآن شریف میں ہے۔ اس کو چھوڑ کر نجات نہیں مل سکتی، جو اس کو چھوڑے گا جہنم میں جاوے گا۔ یہ ہمارا مذہب اور عقیدہ ہے۔"

(ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۲۵۲)

اس واضح اور دو ٹوک عقیدہ کو جانتے بوجھتے ہوئے، رسالہ ہذا کے صفحہ ۱۷ تا ۱۹ میں نہایت بے شرمی سے یہ افتراء کیا گیا ہے۔ کہ نبوتِ محمدیہ احمدیوں کے نزدیک بہائیوں کی طرح عملاً منسوخ اور بیکار اور معطل ہو گئی ہے اور قادیانی عقیدے کے مطابق صرف مرزا قادیانی کی پیروی ہی مدارِ نجات ہے۔

اس افترائے عظیم کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اربعین ۴ کے بعض ادھورے اقتباسات کا سہارا لیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کے بعد یہ عبارت موجود ہے۔ کہ :-

"ہمارا ایمان ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن ربانی کتابوں کا خاتم ہے تاہم خدا تعالیٰ نے اپنے نفس پر یہ حرام نہیں کیا۔ کہ تجدید کے طور پر کسی اور مامور کے ذریعہ سے یہ احکام صادر کرے۔ کہ جھوٹ نہ بولو، جھوٹی گواہی نہ دو۔ زنا نہ کرو۔ خون نہ کرو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا بیان کرنا بیانِ شریعت ہے جو مسیح موعود کا بھی کام ہے۔"

(اربعین ۴ صفحہ ۶)

تیسرا افتراء :- رسالہ کے صفحہ ۲۰ پر ملفوظات جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۷ سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے کہ :

"ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ جس دین میں نبوت کا سلسلہ نہ ہو وہ مُردہ ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے دین کو جو ہم مُردہ کہتے ہیں : تو اسی لئے کہ ان میں اب کوئی نبی نہیں آتا۔ اگر اسلام کا بھی یہی حال ہوتا تو پھر ہم بھی اس کو قصہ گو ٹھہراتے۔

یہ الفاظ بانگِ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ دیگر تمام مذاہبِ عالم کے بالمقابل اسلام کو واحد زندہ مذہب کی حیثیت سے پیش فرما رہے ہیں۔ مگر پہلے فقرہ کے بعد اپنی طرف سے "جیسا کہ دینِ اسلام" کے الفاظ کا اضافہ کر کے یہ افتراء کیا گیا ہے۔ کہ معاذ اللہ حضور کے نزدیک اسلام بھی مُردہ مذہب ہے۔ حالانکہ یہ سراسر بے بنیاد ہے۔ حضور کا یہ کارنامہ ہمیشہ یادگار رہے گا کہ جہاں خشک مُلاّں اسلام کو عملاً مُردہ دین سمجھے بیٹھے تھے۔ وہاں آپ نے یہ بصیرت افروز اعلان فرمایا کہ :-

"میں بار بار کہتا ہوں اور بلند آواز سے کہتا ہوں۔ کہ قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت رکھنا اور سچی تابعداری اختیار کرنا، انسان کو صاحبِ کرامات بنا دیتا ہے اور اسی کامل انسان پر علومِ غیبیہ کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اور دنیا میں کسی مذہب والا رُوحانی برکات میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ میں اس میں تجربہ دیکھ رہا ہوں کہ بجز اسلام، تمام مذہب

مُردے ان کے خدا مُردے اور خود وہ تمام پَیرو مُردے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ سے ساتھ زندہ تعلق ہو جانا بجز اسلام قبول کرنے کے ہرگز ممکن نہیں، ہرگز ممکن نہیں!"

"اے نادانو! تمہیں مُردہ پرستی میں کیا مزہ ہے؟ اور مُردار کھانے میں کیا لذت ہے؟!! آؤ میں تمہیں بتلاؤں کہ زندہ خدا کہاں ہے۔ اور کس قوم کے ساتھ ہے۔ وہ اسلام کے ساتھ ہے۔ اسلام اس وقت موسیٰ کا طور ہے۔ جہاں خدا بول رہا ہے۔ وہ خدا جو نبیوں کے ساتھ کلام کرتا تھا اور پھر چپ ہو گیا۔ آج وہ....

ایک مسلمان

کے دل میں کلام کر رہا ہے۔ کیا تم میں سے کسی کو شوق نہیں؟ کہ اس بات کو پرکھے۔ پھر اگر حق کو پاوے تو قبول کر لیوے۔"

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۶۱، ۶۲)

چوتھا افتراء:۔

اس رسالہ کے صفحہ ۱ پر "کلمۃ الفصل" کی یہ عبارت درج ہے۔ کہ

"مسیح موعود کوئی معمولی شان کا انسان نہیں ہے۔ بلکہ اُمت میں اپنے درجہ کے لحاظ سے سب پر فوقیت لے گیا ہے۔"

اس حوالہ کے ساتھ ایک تو ازخود یہ الفاظ داخل کر دیئے گئے ہیں:

"بلکہ خود محمد رسول اللہ کی بعثت پر بھی"

دوسرے یہ سُرخی قائم کر دی گئی ہے۔ کہ پہلے "محمد رسول اللہ سے بڑھ کر"۔ حالانکہ یہ بالکل افتراء ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مقدس میں گستاخی ہے اور یہودیانہ تحریف کی بدترین مثال ہے۔

پانچواں افتراء:۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے خطبہ الہامیہ میں لکھا ہے۔ کہ اسلام ہلال کی مانند شروع ہوا تھا اور آخری زمانہ میں چودھویں صدی کا بدر بن کے چمکے گا اسی عظیم الشان بشارت کا مفہوم اسی کتاب میں یہ لکھا ہے۔ کہ جہاں بھر میں [illegible] مگر رسالہ [illegible] کذاب و دجال مصنف نے [illegible] سادے مطلب کو بگاڑ

کر یہ لکھ دیا ہے۔ کہ:

"نبی کی بعثت کے زمانہ میں اسلام ہلال کی مانند تھا۔ جس میں کوئی روشنی نہیں ہوتی اور قادیانی بعثت کے زمانہ میں اسلام بدر کامل کی طرح روشن ہو گیا۔" رسالہ کے صفحہ ۱۲ پر خطبہ الہامیہ کی ایک عبارت کا خلاصہ یہ دیا گیا ہے۔ کہ

"مرزا قادیانی کے زمانہ کی فتح مبین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح مبین سے بڑھ کر ہے۔"

یہ بھی سراسر افتراء ہے۔ جیسا کہ خطبہ الہامیہ میں ذکر ہے۔ فتح مبین سے مراد یہ ہے کہ فتنہ یاجوج و ماجوج کے وقت اسلام کو آسمانی تائید و نصرت حاصل ہو گی۔

چھٹا افتراء:۔

رسالہ کے صفحہ ۲۱ پر ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۸۲ کی عبارتوں کو درج کرنے میں نہایت درجہ دجل و فریب سے کام لیا گیا ہے حضور نے ان مقامات پر بھی اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ اور باقی مذاہب کو لعنتی اور قابل نفرت بتلاتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہو گا میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں نہ کہ رحمانی۔ اور میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ ایسا مذہب جہنم کی طرف لے جاتا ہے اور اندھا رکھتا ہے۔ اور اندھا ہی مارتا اور اندھا ہی قبر میں لے جاتا ہے۔ مگر میں ساتھ ہی خدائے کریم و رحیم کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ اسلام ایسا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ دُنیا میں صرف اسلام ہی یہ خوبی اپنے اندر رکھتا ہے۔ کہ وہ بشرطیکہ سچی اور کامل اتباع ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمات الٰہیہ سے مشرف کرتا ہے۔ اسی وجہ سے تو حدیث میں آیا ہے۔ کہ عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ یعنی میری اُمت کے علماء ربّانی بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں۔ اس حدیث میں بھی علماء ربّانی کو ایک طرف اُمتی کہا اور دوسری طرف

نبیوں سے مشابہت دی ہے۔"

یہ تو ہے مکمل عبارت لیکن مصنف رسالہ نے پہلی سطروں کے سوا باقی پوری عبارت جو کہ پورے مضمون کی رُوح اور جان تھی، جان بُوجھ کر چھوڑ دی اور خلاصہ یہ پیش کیا کہ

"قادیانیوں کے نزدیک مرزا قادیانی کی نبوت کے بغیر دینِ اسلام محض قصّوں کہانیوں کا مجموعہ، لعنتی، شیطانی اور قابل نفرت ہے۔" اس افتراء پردازی نے بالکل واضح کر ڈالا ہے۔ کہ مقلدوں کا طبقہ اسلام کا چھپا دشمن ہے۔ اور آنحضرتؐ اور اسلام کو دو مخالف احمدیت کی آڑ میں کھلے بندوں گالیاں دے رہا ہے۔

اہلحدیث ۱۷ نومبر ۱۹۱۱ء نے لکھا:

"افسوس ہے۔ کہ ان مولویوں پر جن کو ہم ہادی، رہبر، ورثۃ الانبیاء سمجھتے ہیں، ان میں یہ نفسانیت، یہ شیطنیت بھری ہوئی ہے۔ تو پھر شیطان کو کس نے بُرا بھلا کہنا چاہیئے۔"

بزرگانِ اُمت سے بغاوت

آخر میں یہ بتلانا بھی ضروری ہے کہ یہ رسالہ دُنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے ایک کھلا چیلنج اور زبردست خطرہ کا الارم ہے۔ وجہ یہ کہ فتنہ پرور علماء نے اس میں نظریہ بروز و فنافی الرسولؐ اور نظریہ الہام مہدی موعود کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ حالانکہ ان دونوں نظریات کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہے اور اُمت مسلمہ کے اکابر صوفیاء اہل اللہ اور جلیل القدر بزرگوں نے اپنے دعاوی یا بیانات کے ذریعہ ان پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے اور ان کی وضاحت بھی وہی فرمائی ہے۔ جو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے قلم سے مذکور ہے۔ اسی اعتبار سے ہم ڈنکے کی چوٹ کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ رسالہ اسلامی نظریات میں نقب زنی اور ان کے ملیا میٹ کرنے کی لرزہ خیز سازش ہے۔ جس کی زد میں ملت اسلامیہ کے وہ سب عظیم بزرگ آ گئے ہیں۔ جن کا وجود آیت رحمت تھا۔ اور جن کا خاکپا ہونا ہم سب مسلمانوں کیلئے باعث سعادت ہے۔

ہم اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے دو الگ الگ عنوانوں کے تحت صلحاء اُمت کے چند ضروری اقتباسات ہدیۂ قارئین کرتے ہیں:۔

نظریۂ بروز اور فنافی الرسول

(۱) حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ اکثر فرمایا کرتے تھے:۔

هٰذَا وُجُودُ جَدِّي
مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم
لَا وُجُودُ عَبْدِ الْقَادِرِ

(گلدستہ کرامات صفحہ ۸ مفتی غلام سرور صاحب مطبوعہ افتخار دہلی)

"میرا وجود میرے دادا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے عبدالقادر کا وجود نہیں۔"

ایک بار اپنے مرید سے فرمایا:

"أَتَشْهَدُ أَنِّي مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ۔ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں محمد رسول اللہ ہوں؟" مُرید نے اس کی تصدیق کی۔

(الکادیہ صفحہ ۴۴ (مولوی محمد عالم آسی امرتسر)

۲۔ حضرت بایزید بسطامیؒ مشہور صوفی سے پوچھا گیا۔ کہتے ہیں: ابراہیم، موسیٰ اور محمد خدا کے برگزیدہ بندے ہیں۔" فرمایا۔ "میں ہوں۔"

(تذکرۃ الاولیاء، باب ۱۴ صفحہ ۱۲۸ ناشر برکت علی اینڈ سنز لاہور)

۳۔ ہندوستان کے ممتاز چشتی بزرگ حضرت شاہ نیاز احمدؒ فرماتے ہیں:

عیسیٰ مریمی منم احمد ہاشمی منم
عیسیٰ مریمی میں ہوں احمد ہاشمی میں ہوں

۴۔ شہرۂ آفاق صوفی و عارف ربانی حضرت عبدالکریم الجیلانیؒ اپنی کتاب الانسان الکامل جلد ۲ صفحہ ۴۸ پر ارشاد فرماتے ہیں:۔

"کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا۔ کہ جب آنحضرت صلعم نے شبلیؒ کی صورت میں ظہور فرمایا۔ تو آپ نے اپنے ایک شاگرد سے جو صاحب کشف تھا۔ فرمایا گواہی دے کہ میں رسول اللہ کا رسول ہوں۔ پس اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً تو اللہ کا رسول ہے۔ یہ کوئی نا پسندیدہ بری بات نہیں ہے یہ اس طرح ہے۔ جیسا کہ ایک سویا ہوا اپنے آپ کو دوسرے آدمی کی شکل میں دیکھتا ہے۔"

۵۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب انفاس العارفین صفحہ ۱۰۳ پر لکھتے ہیں:

"کاتب الحروف نے حضرت والد ماجد کی رُوح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح مبارک کے

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے بابرکت دورۂ مغربی جرمنی کی چند جھلکیاں

ہیمبرگ پریس کانفرنس ـــــ منعقدہ ۱۹ ار تبوک (ستمبر)

حضور ایدہ اللہ کی بائیں جانب مکرم ہدایت اللہ صاحب ہیوبش بحیثیت ترجمان، دائیں جانب مکرم عبداللہ واگس ہاؤزر صاحب امیر جماعت مغربی جرمنی، مکرم ملک منصور احمد صاحب عمر مبلغ انچارج مغربی جرمنی، مکرم لئیق احمد صاحب منیر مبلغ ہیمبرگ مشن اور سامنے مختلف خبر رساں ایجنسیوں کے نمائندے دکھائی دے رہے ہیں ⁂

نیا یورپین مرکز
ناصر باغ
(GROS GERAN)

۲۲ر تبوک (دستمبر)

(۱) نئے مرکز کی افتتاحی تقریب میں حضور انور خطاب فرما رہے ہیں۔ (۲) مجلس علم وعرفان میں حضورِ پُر نور کی بائیں جانب مکرم عرفان احمد صاحب (آخن) اور مصر کے مکرم مصطفٰے ثابت صاحب بحیثیت ترجمان دکھائی دے رہے ہیں۔ (۳) مکرم ملک منصور احمد صاحب عمرؔ مبلغ انچارج۔ مکرم عبداللہ واگس ہاوزر صاحب امیر جماعت اور بعض عہدیداران و احباب جماعت کے ساتھ۔ (۴) مکرم لئیق احمد صاحب مبشّر مکرم ملک منصور احمد صاحب عمرؔ، مکرم عبداللہ واگس ہاوزر صاحب اور بعض عہدیداران جماعت کی معیت میں۔

(۵) مجلس علم وعرفان میں حضور پُر نور کی دائیں جانب مکرم امیر صاحب جماعت مغربی جرمنی اور مکرم ملک منصور احمد صاحب عمر مبلغ انچارج۔

(۶) مکرم نواب منصور احمد خان صاحب وکیل التبشیر اور بعض احباب جماعت سے گفتگو فرماتے ہوئے ◆
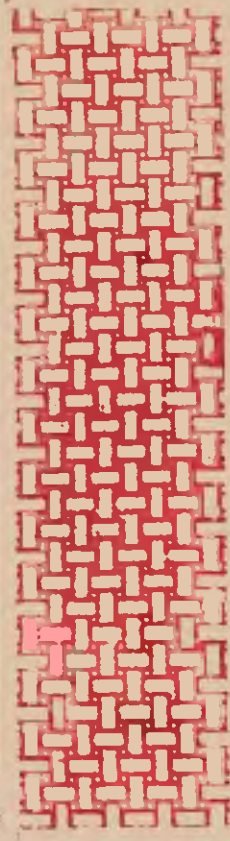
ھالی ڈے اِن
فرینکفرٹ
۲۳ر تبوک (ستمبر)

(۱)۔۔ استقبالیہ تقریب میں اِنڈین کونسلیٹ سے محوِ گفتگو ۔

(۲)۔۔ اس تقریب میں آئے ہُوئے بعض معززینِ شہر ۔

(۳)۔۔ حضور انور حاضرین کے سوالوں کے جواب دیتے ہُوئے۔ دائیں طرف مکرم ہدایت اللہ صاحب ہیوبش بحیثیت ترجمان اور بائیں طرف مکرم عبد اللہ واگس ہاؤزر صاحب و مکرم ملک منصور احمد صاحب عُمر بیٹھے ہیں ۔

(۴)۔۔ ایک جرمن جوڑے سے گفتگو فرماتے ہوئے ۔

(۵)۔۔ سپین کے کونسلیٹ جنرل سے استقبالیہ تقریب میں ملاقات ۔

(۶)۔۔ فرینکفرٹ کے نامور وکیل مسٹر وینٹے (WENTE) کے ساتھ تبادلۂ خیالات ۔

هالی ڈے اِن، فرینکفرٹ (۱)۔ حضور پُر نور بعض عرب نوجوانوں کے استفسارات کا جواب دے رہے ہیں۔ (۲) چیکوسلواکیہ کے پہلے نو احمدی مسلمان نداء الظفر (یاری) سے گفتگو فرماتے ہوئے۔ (۳) و (۴) استقبالیہ تقریب ہی کے دو مناظر ؎

میونخ پریس کانفرنس ۔ ۲۵ تبوک (ستمبر)

حضور انور کی دائیں جانب مکرم ملک منصور احمد صاحب عمر مبلغ انچارج مغربی جرمنی اور بائیں جانب مکرم ہدایت اللہ صاحب ہیل ترجمانی کے فرائض انجام دے رہے ہیں ؎

تصاویر کی فراہمی اور ان کی طباعت کے سلسلہ میں مخلصانہ تعاون کے لئے اِدارہ مکرم ملک منصور احمد صاحب عمر مبلغ انچارج اور مکرم ملک محمد اکرم خان صاحب پریس سیکرٹری جماعتِ احمدیہ فرینکفرٹ (مغربی جرمنی) کا ممنون ہے۔ فَجَزَاهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی اَحْسَنَ الْجَزَاء ——

(ایڈیٹر)

رائے میں لینے کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا۔ تو فرمانے لگے

"یوں محسوس ہوتا تھا۔ گویا میرا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے مل کر ایک ہو گیا ہے خارج میں میرے وجود کی کوئی الگ حیثیت نہیں تھی۔"

(ب) پھر فرماتے ہیں :-

"حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا۔ جیسے مجھے اپنی ذات مبارک کے ساتھ اس انداز سے قرب واتصال بخشا کہ جیسے ہم متحد الوجود ہو گئے ہیں۔ اور اپنے آپ کو آنحضرت صلعم کا عین پایا۔"

(انفاس العارفین صفحہ ۱۹۶)

(ج) یزعم العامّة انّہ اذا نزل الی الارض کان واحدا من الامة کلّا بل ھو شرح للاسم الجامع المحمّدی و نسخة منتسخة منه ۔ (الخیر الکثیر صفحہ ۷۲)

عوام کا خیال ہے کہ مسیح موعود جب زمین کی طرف نازل ہوگا۔ تو وہ صرف ایک اُمتی ہوگا۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ تو اسم جامع محمدی کی پوری تشریح اور اس کا (دوسرا) نسخہ ہوگا۔

(۶) نویں صدی ہجری اور پندرہویں صدی عیسوی کے ممتاز صوفی حضرت عبدالرزاق کاشانی رح فرماتے ہیں :-

"المھدی الذی یجیٔ فی آخر الزمان فانہ یکون فی الاحکام الشرعیة تابعًا لمحمّد صلی اللہ علیہ وسلم وفی المعارف والعلوم والحقیقة تکون جمیع الانبیاء والاولیاء تابعین لہ کلھم"

(شرح : فصوص الحکم مصری صفحہ ۳۵)

"مہدی جو آخری زمانہ میں آئے گا۔ وہ احکام شرعیہ میں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوگا۔ اور معارف علوم اور حقیقت میں تمام انبیاء اور اولیاء سب کے سب اس کے تابع ہوں گے۔ کیونکہ مہدی کا باطن محمد رسول اللہ کا باطن ہوگا۔

(۷) فرقہ امامیہ کے نامور مؤرخ و عالم دین حضرت علامہ باقر مجلسی تحریر فرماتے ہیں :-

یقول یا معشر الخلائق الا ومن اراد ان ینظر الی ابراھیم واسماعیل فھا انا ذا ابراھیم واسماعیل الا ومن اراد ان ینظر الی موسیٰ ویوشع فھا انا ذا موسیٰ ویوشع الا ومن اراد ان ینظر الی عیسیٰ وشمعون فھا انا ذا عیسیٰ وشمعون الا ومن اراد ان ینظر الی محمّد وامیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ فھا انا ذا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وامیر المؤمنین ۔"

(بحار الانوار صفحہ ۲۰۲ جلد ۱۳)

"امام مہدی کہیں گے" اے لوگوں کے گروہ! جو چاہتا ہو کہ وہ ابراہیم اور اسماعیل کو دیکھے تو مجھے دیکھ لے کہ میں ابراہیم اور اسماعیل ہوں" اور جو شخص موسیٰ اور یوشع کو دیکھنا چاہے۔ تو وہ موسیٰ اور یوشع میں ہوں اور جو چاہے کہ عیسیٰ اور شمعون کو دیکھے تو میں وہی عیسیٰ اور شمعون ہوں۔ اور جو چاہتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ کو دیکھے تو سنو! وہ محمد اور امیر المؤمنین میں ہوں۔"

نظریۂ الہام مہدیٔ موعود

دنیائے اسلام کے بزرگ صوفی حضرت امام شعرانی رح فرماتے ہیں :

"اِنَّہٗ یَحْکُمُ بِمَا اُلْقِیَ اِلَیْہِ مَلَكُ الْاِلْھَامِ مِنَ الشَّرِیْعَةِ وَذٰلِكَ اَنَّہٗ یُلْھِمُهُ الشَّرْعَ الْمُحَمَّدِیَّ فَیَحْکُمُ بِهٖ کَمَا اَشَارَ اِلَیْهِ حَدِیْثُ الْمَھْدِیِّ اَنَّہٗ یَقْفُوْ اَثَرِیْ لَا یُخْطِیْ فَعَرَّفَنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ مُتَّبِعٌ لَا مُبْتَدِعٌ وَاَنَّہٗ مَعْصُوْمٌ فِیْ حُکْمِهٖ اِذْ لَا مَعْنٰی لِلْمَعْصُوْمِ فِی الْحُکْمِ اِلَّا اَنَّہٗ لَا یُخْطِیْ وَحُکْمُ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا یُخْطِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی وَقَدْ اَخْبَرَ عَنِ الْمَھْدِیِّ اَنَّہٗ لَا یُخْطِیْ وَجَعَلَهٗ مُلْحَقًا بِالْاَنْبِیَاءِ فِیْ ذٰلِكَ الْحُکْمِ ۔"

(الیواقیت والجواھر جزء ۲ صفحہ ۱۴۵ بحث ۶۵)

"یعنی الہام کا فرشتہ شریعت کا جو مفہوم اس (مہدی) کو سکھائے گا۔ اس کے مطابق ہی وہ فیصلہ دیا کرے گا یہ اس لئے کہ وہ اس کو شرع محمدی الہام کرے گا۔ اسی کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہدی والی حدیث اشارہ کرتی ہے۔ فرمایا کہ وہ میرے پیچھے پیچھے آئے گا اور غلطی نہیں کرے گا۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتا دیا کہ وہ مہدی متبع ہوگا۔ کوئی نئی بات نہیں بنائے گا۔ اور وہ اپنے فیصلے میں معصوم ہوگا۔ کیونکہ غلطی سے پاک ہونے کے یہی معنی ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہدی کے بارے میں یہ فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ اپنی مرضی سے نہیں بولتے۔ بلکہ جو ارشاد فرمائیں وہ وحی ہوتی ہے اور آپ نے مہدی کے متعلق اس حکم سے اس امر میں اسے انبیاء میں شامل کر دیا ہے۔"

حضرت امام شعرانی کا یہ سارا استدلال ایک حدیث سے ہے۔ بالفاظ دیگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ بتا دیا۔ کہ مہدی کی خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ ملہم وحی الالہام راہنمائی ہوا کرے گی۔

یہ ہیں وہ مقدس اسلامی روایات اور یہ ہے۔ ملت اسلامیہ کا تیرہ سو سالہ قیمتی خزانہ جو دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کا سرچشمۂ حیات اور سفینۂ نجات ہے۔ جس کو دشمنان اسلام کے ایجنٹ صفحۂ ہستی سے بالکل نابود کر دینا چاہتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی نئی نسل کو اپنے قدیم اور محسن بزرگوں کے باغی بنا رہے ہیں۔

سوال یہ ہے۔ کہ مسلم دنیا آخر کب تک تماشائی بنی رہے گی؟

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

* * *

عکسِ ماہتاب

جناب محمد رفیع رضاؔ ۔ ربوہ

چپ چپ مکیں ہیں اور مکاں اضطراب میں
تجھ سے بچھڑ کے شہر ہے جیسے عذاب میں

نظریں ہیں آسماں پہ گویا ساری بزم کی
اور عکس موجزن ہے مرا ماہتاب میں

ذہنوں پہ کربلا کے نظارے ہیں روز و شب
اور تشنگی سی اتری ہوئی ہے چناب میں

ہر چھوٹے اور بڑے نے محبت میں ڈوب کر
چوما ہے تیرے خط کو بڑے اضطراب میں

ہم نے ترے فراق میں آنسو بہائے ہیں
لکھا ہے یہ گنہ بھی ہمارے حساب میں

وہ بات کس شعور کی کرتے ہیں بے خبر
جھکنا لکھا نہیں ہے جنوں کے نصاب میں

دل تو رضاؔ کا تیری وفا کا اسیر تھا
آتا کہاں سے اور کوئی انتخاب میں

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب رضؓ

شمع احمدیت کے پروانوں کے لئے ایک قابلِ رشک اور قابلِ تقلید نمونہ

مکرم مولوی محمد انعام صاحب غوری مدرس مدرسہ احمدیہ قادیان نے یہ مقالہ سالانہ اجتماع مجلس انصار اللہ مرکزیہ ۱۹۸۵ء کے موقعہ پر پیش کیا۔ (ادارہ)

حضرت رسُولِ مقبول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے متعلق فرمایا کہ
"اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ"
(مشکوٰۃ۔ باب مناقب الصحابہؓ)
میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کرو ہدایت پا جاؤ گے
اسی طرح ترمذی شریف میں ایک حدیث درج ہے جسمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔
"مَثَلُ اُمَّتِیْ مَثَلُ الْمَطَرِ لَایُدْرٰی اَوَّلُہٗ خَیْرٌ اَمْ آخِرُہٗ"
کہ میری اُمّت کی مثال اُس بارش کی مانند ہے جس کے بارہ میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا پہلا حصّہ بہتر ہے یا آخری حصّہ۔ گویا اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بعثتِ ثانیہ کا جو آپؐ کے ظلّ اور بروز کامل حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ذریعہ ہونا مقدّر تھی ذکر کرتے ہوئے مسیح موعود و مہدی مسعود کے مبارک عہد میں ایمان لانے والے اور آپؑ کے انفاسِ قدسیہ اور آپؑ کی تربیت سے فیضیاب ہونے والے صحابہ اور ان کے مقام کا بھی ذکر فرمایا ہے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اشعار میں فرماتے ہیں ؎

مسیحِ وقت اب دُنیا میں آیا
خُدا نے عہد کا دن ہے دکھایا
مبارک وہ جو اب ایمان لایا
صحابہؓ سے ملا جب مجھ کو پایا

وہی مَے اُن کو ساقی نے پلادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

آج کی مجلس میں گلستانِ احمدؑ کے اُس گُلِ رعنا کے کچھ اوصافِ رنگ و بو کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو یکم ستمبر ۱۹۸۵ء کو اِس ارضی و عارضی جنت سے توڑا گیا اور یقین کامل ہے کہ ربِّ غفور کے فضل و کرم سے جنّت الخُلد کی زینت بنالیا گیا ہوگا۔ کما وَعَدَ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ "وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ"
اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَاجْعَلْ مَثْوٰہُ فِیْ جَنَّتِ النَّعِیْمِ۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ کی زندگی ہمارے لئے دینی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے —— دُنیاوی لحاظ سے اِس دُنیا میں بڑے بڑے نامور انسان گزرے ہیں اور آج بھی موجود ہیں۔ بڑے بڑے سائنس دان ہوئے۔ بڑے بڑے سیاستدان ہوئے۔ وسیع و عریض سلطنتوں کے بادشاہ بھی ہوئے۔ لیکن دُنیاوی مناصبِ جلیلہ اور دُنیاوی اقتدار اور وجاہتوں کے ساتھ ساتھ خوفِ خُدا سے لرزاں و ترساں رہنا۔ تقویٰ نصیب ہونا اور عجز و انکسار کا پیکر بننا اور خدمتِ خلق اور خدماتِ دینیہ کی سعادت کا عطا ہونا، ایک خارقِ عادت نشان اور ایک معجزہ سے کم نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت سے معجزات دکھائے۔ آپؑ نے اپنے صحابہ کے اندر جو پاکیزہ انقلاب پیدا کر دکھایا وہ بھی ایک عظیم معجزہ ہے۔!

حضرت چوہدری صاحبؓ کے والد حضرت چوہدری نصر اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت حسین بی بی صاحبہؓ بھی صحابیہ تھیں اور خود آپؓ کو بھی صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت چوہدری صاحبؓ کو دُنیاوی لحاظ سے جو اعلیٰ منصب عطا فرمانا تھا، اُس کی خوشخبری کئی سال قبل آپؓ کی والدہ ماجدہ کو جو صاحبِ کشوف و رؤیا بزرگ تھیں، سُنادی تھی اور رُوحانی لحاظ سے جو تقویٰ کا مقام آپ کو عطا ہونا تھا اُس کی بشارت آپ کے والدِ ماجد کی زبانی ایک بزرگ صحابی حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی کے واسطے سے سُنادی تھی —— چنانچہ بہت عرصہ پہلے آپ کی والدہ ماجدہ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کشفی نظارہ میں یہ پُر شوکت الفاظ دو مرتبہ سُنائے گئے کہ
"ہوگا چیف جسٹس ظفر اللہ خان
نصر اللہ خان کا بیٹا"
اگر آپ (متحدہ) ہندوستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بنتے تو تب بھی۔ اور اگر پاکستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بنتے تب بھی یہ مبشّر رؤیا پُوری ہو جاتی۔ لیکن ایسا اتفاق ہُوا کہ برِّ صغیر میں باوجود امکانات ہونے کے آپؓ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدہ پر فائز نہیں ہوئے جبکہ اہم وزارتوں تک کے عہدہ پر فائز رہنے کا آپ کو موقعہ ملتا رہا۔
دراصل خدا تعالیٰ نے اس سے بھی بہت اعلیٰ و ارفع منصب کی اس رؤیا میں بشارت دی تھی اور وہ اس رنگ میں پُوری ہوئی کہ آپ عالمی عدالتِ انصاف کے متواتر دو دفعہ چیف جسٹس منتخب ہوئے۔

جو تقویٰ کا مقام آپؓ کو عطا ہُوا وہ حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی کے اس کشف سے عیاں ہوتا ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں:۔
"جب جناب چوہدری صاحب ہندوستان کی مرکزی حکومت کے رکن کی حیثیت میں دہلی میں مقیم تھے تو مَیں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ حضرت چوہدری نصر اللہ خان صاحب آپ کی کوٹھی کے برآمدہ میں کھڑے ہوکر قرآن کریم سے سورۃ یوسف تلاوت فرما رہے ہیں اور بلند آواز سے کہتے ہیں میرا یوسف۔ میرا یوسف اور اشارہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان کی طرف کرتے ہیں۔" (حیاتِ قدسی حصّہ پنجم)
اس کی عملی لحاظ سے تصدیق اور گواہی بھی سُن لیجئے۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے مادیت کے مرکز لندن جیسے شہر میں حضرت چوہدری صاحبؓ کا کردار کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ لکھتے ہیں:۔
"لندن شہر اِس وقت زیب و زینت اور دلکشی میں مصر سے بڑھا ہُوا ہے۔ لیکن چوہدری ظفر اللہ خان صاحب اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح تقویٰ اور طہارت کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔"
(بحوالہ ماہنامہ انصار اللہ ربوہ ستمبر ۱۹۸۵ء)
یہ دو بشارتیں اور ان کے پُورا ہونے کا ثبوت مَیں نے اس لئے پیش کیا ہے کہ حضرت چوہدری صاحبؓ کی دینی و دُنیاوی ترقیات کا نقشہ اس میں بیان کر دیا گیا ہے۔ دُنیاوی اعزاز کی بشارت آپ کی والدہ کے ذریعہ ملی تو رُوحانی اعزاز کی بشارت والد بزرگوار سے ملی۔ اس میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ ہمیں اگر اپنی دُنیا و عاقبت سنوارنے کی تمنّا ہو تو سب سے پہلے والدین کی اطاعت و خدمت کرنا اور ان کی نیک دُعاؤں سے متمتّع ہونا

نہایت ضروری اور بنیادی امر ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے اپنے والدین کی کس رنگ میں اطاعت و فرمانبرداری کی اور آپؓ کے بزرگ والدین نے کس قدر محنت اور جانفشانی، تدابیر اور شبانہ روز دعاؤں سے اس ہونہار کی مثالی تربیت کی یہ ایک علیحدہ مضمون ہے۔

حضرت چوہدری صاحب نے بفضلہ تعالیٰ ۹۲½ سال عمر پائی۔ اس عرصہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد باسعادت کے آخری چار سالہ دور کی برکتوں سے فیض یاب ہوئے پھر حضرت خلیفہ اوّلؓ کے چھ سالہ عہد خلافت میں آپ کی دعاؤں اور شفقتوں کے مورد رہے۔ پھر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے انقلاب انگیز درخشندہ دور میں ۵۲ سال تک حضورؓ کی براہ راست تربیت۔ آپ کی بے پایاں شفقتوں اور غیر معمولی دعاؤں سے فیضیاب ہوتے رہے۔ پھر سترہ سالہ خلافت ثالثہ کے عہد مبارک میں ہر اِبتلاء و انعامات کے دور سے بھرپور حصہ پاتے رہے اور جب خلافت رابعہ کا انتخاب عمل میں آیا تو سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع کی خدمت میں سب سے پہلے اسی بزرگ صحابی نے دست بیعت بڑھایا۔ اور زندگی کے آخری سانسوں تک اس عہد بیعت کو نبھاتے ہوئے اپنے مولائے حقیقی کے پاس حاضر ہو گئے۔

یہ مختصر تفصیل میں نے اس لئے بیان کی ہے کہ والدین کی کفالت کے بعد جب حضرت چوہدری صاحبؓ نے کلیتاً اپنے آپ کو ان روحانی معلموں اور مربیوں کے سپرد کر دیا تو حضرت امام مہدی علیہ السلام کی برکت اور آپ کے خلفاء کرام کی خاص توجہ اور عنایات اور دعاؤں ہی سے اُن مبشر خوابوں نے حقیقت کا لباس پہنا جو آپ کے والدین نے دیکھے تھے اور حضرت چوہدری صاحب کو اس امر کا پورا احساس تھا اور یہ احساس آپ کے درخت وجود کی ہر شاخ اور ہر پتے پتے پر مرتسم نظر آتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ انگلستان برمنگھم میں بی۔بی۔سی کے نمائندے نے آپ سے انٹرویو لیتے ہوئے بر سبیل تذکرہ ایک سوال کیا کہ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا اور اہم واقعہ کونسا ہے؟ تو آپؓ نے بغیر کسی توقف کے فوراً جواب دیا کہ میری زندگی کا سب سے بڑا واقعہ وہ تھا جب میں اپنی والدہ کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میری نظریں آپ کے مبارک چہرہ پر پڑیں۔

اسی طرح آپؓ اپنی کتاب تحدیث نعمت میں بیان فرماتے ہیں:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل ہونا اپنے لئے سعادت عظمیٰ شمار کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ یہ سعادت فیوض آسمانی کے دروازوں کے کھلنے کا موجب تھی .... (پھر) حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شفقت اور توجہ ایک بہت بڑا انعام تھی۔ آپ کا ارشاد "میاں ہم نے تمہارے لئے بہت بہت دعائیں کی ہیں" کس قدر انعامات اور فیوض کی خوشخبری تھا ...... پھر نصف صدی سے زائد عرصہ کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی طرف سے جن الطاف اکرام، جس شفقت و محبت، جس توجہ اور احسان کا پیہم مورد یہ عاجز رہا اس کا اندازہ بھی خاکسار کیلئے ممکن نہیں)...... اس نصف صدی کے دوران خاکسار یہ محسوس کرتا تھا کہ میری زندگی ایسی ہی محفوظ ہے جیسی ایک طفل نادان و بے بس کی زندگی اس کی ماں کی گود میں محفوظ ہوتی ہے میری زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جو حضور اقدس کی توجہ کے فیضان سے متمتع نہ ہو۔"

چنانچہ مجلس عاملہ انصار اللہ انگلستان نے اپنی قرارداد تعزیت میں حضرت چوہدری صاحبؓ کی کامیاب زندگی کا مختصر مگر جامع رنگ میں تجزیہ کرتے ہوئے لکھا:۔

"حضرت چوہدری صاحبؓ کی زندگی اوّل تا آخر اللہ تعالیٰ کے نشانوں میں سے ایک نشان تھی۔ آپ کی پیدائش۔ آپ کا بچپن آپ کی تعلیم و تربیت اور آپ کا عملی دنیا میں قدم رکھنا ـــــ دنیاوی عزت و وجاہت اور شہرت و بلندی کی انتہا پر پہنچنے کے باوجود یہ دنیا کبھی بھی آپ کا مقصود نہ ہوئی۔ یہ یگانہ روزگار اور پاکیزہ فطرت مسیح موعود کا روحانی فرزند ہمیشہ خوف خدا، حُبّ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم۔ امام وقت اور ان کے خلفاء کی انتہائی فرمانبرداری و جاں نثاری کی راہوں کی طرف رواں رہا۔ دنیا نے دیکھا کہ دین کی طرف دوڑ دوڑ کر جانیوالے چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کا پیچھا دنیاوی وجاہتوں نے کیسے بھاگ بھاگ کر کیا۔

راست بازی و پرہیزگاری۔ خاکساری و فروتنی۔ صلہ رحمی اور عجز و انکسار یہ چیزیں تھوڑی سی قدرت پانے پر ہی عام لوگوں میں باقی نہیں رہتیں۔ لیکن احمدیت کے اس مایۂ ناز فرزند نے تمام دنیا کو اپنے کردار و افعال سے ایک پرہیزگار اور صحیح معنوں میں مرد مومن کا نمونہ پیش کیا۔ (مبشر ۸۵/۱۰ ۲)

آپؓ کی پوری زندگی قابل تقلید نمونوں سے بھری پڑی ہے۔ چند ایک پہلوؤں کے بارہ میں کچھ عرض کروں گا:۔

سادگی اور دنیا سے بے رغبتی کا یہ عالم رہا کہ ہزاروں کی ماہانہ آمدنی کے باوجود ایک مختصر سے مکان میں نہایت مختصر ساز و سامان کیساتھ نہایت قناعت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ لباس بہت سادہ استعمال کرتے اور باوجود نوکر چاکر رکھنے کی مقدرت کے اکثر کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ دنیاوی مناصب اور متاع دنیا کی کشش نے کبھی آپ کو اپنی طرف اس رنگ میں راغب کرنے میں کامیابی حاصل نہیں کی جس سے آپ دنیا دار انسان کہلا سکتے۔

یہاں قادیان میں سول لائن پر آجکل جو بجلی گھر ہے تقسیم ملک سے قبل یہ عالیشان کوٹھی حضرت چوہدری صاحبؓ کی ملکیت تھی۔ اس بارہ میں ایک چھوٹا سا واقعہ سناتا ہوں جو میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے کانوں نے سنا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ تقسیم ملک کے بعد جب پہلی مرتبہ ۱۹۷۲ء میں قادیان تشریف لائے تو محکمہ بجلی کے افسران نے حضرت چوہدری صاحبؓ کو چائے پر آپ کی کوٹھی میں مدعو کیا۔ خاکسار بھی بحیثیت خادم اس موقعہ پر موجود تھا۔ جب آپ اپنی اُس عالیشان کوٹھی میں پہنچے تو مُشاہدین نے آپ کے جذبات میں کسی قسم کا ہیجان محسوس نہیں کیا۔ میں نے بعض ایسے مہاجر بھی دیکھے ہیں جو اپنی متروک کوٹھیوں کو دیکھکر اپنی پُرانی یادوں کے تصور سے بے چین ہو کر آنسوؤں سے روتے تھے۔ لیکن حضرت چوہدری صاحبؓ کے چہرہ پر اس قسم کے جذبات کا ادنیٰ سا شائبہ بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ یہی نہیں بلکہ آپؓ کی دلی کیفیت بھی جو بعد میں آپ ہی کی زبانی ظاہر ہوئی، نہایت پُرسکون تھی۔ چنانچہ دعوت سے فارغ ہو کر جب حضرت چوہدری صاحبؓ وہاں سے چلنے لگے تو محکمہ بجلی کے ایک افسر نے عرض کیا۔ آئندہ جب بھی آپ تشریف لائیں، آپ کے قیام کے لئے آپ کی یہ کوٹھی حاضر ہے۔ اس پیشکش کا جو حضرت چوہدری صاحبؓ نے جواب دیا، وہ آپ کی دنیا سے بے رغبتی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپؓ نے فرمایا! اس کوٹھی کی بنیاد کے چار کونوں میں دار المسیحؑ کی صرف چار اینٹیں نصب کی گئی تھیں۔ جب مجھے دار المسیح ہی کے مبارک مکانات میں قیام کا شرف مل رہا ہے تو اس کوٹھی میں قیام کرنا میرے لئے بالکل ہیچ ہے۔ ویسے آپ کی پیشکش کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ (الفاظ میں فرق ہو سکتا ہے لیکن مفہوم بالکل یہی تھا)

ارکان دین کی ادائیگی اور عبادت میں شغف کا یہ عالم تھا کہ سفر ہو یا حضر، گھر میں ہوں یا اقوام متحدہ کی اسمبلی کے اجلاس میں، نماز کا وقت جب ہو جاتا تو سب کام چھوڑ چھاڑ کر خدا کی عبادت میں مصروف ہو جاتے۔ چنانچہ جب ایک سفر کے دوران رات کے پچھلے پہر ریل گاڑی حادثہ سے دوچار ہوئی تو اس وقت آپ اپنے سیلون میں نماز تہجد کی ادائیگی میں مشغول تھے

اقوام متحدہ کے ممبران نے آپ کے متعلق اپنے تأثرات کا اِن الفاظ میں اظہار کیا کہ

"لَا یُقْبَلُ الَّذِیْ یُصَلِّیْ فِیْ هَیْئَةِ الْاُمَمِ الْمُتَّحِدَةِ"

وہ عظیم شخص جو اقوام متحدہ کی اسمبلی میں بھی نماز پڑھتا ہے ــــ جس کے تقویٰ اور پارسائی کا یہ وقار تھا کہ جب وہ کسی مجلس میں آتے تو انہیں دیکھ کر کئی ممبر جام کے چھپا لیتے ـ

پس آپ کے عملی نمونہ اور ذاتی کردار کا یہ اثر تھا کہ جس وقت پاکستان کی اسمبلی اور پاکستان کے فوجی آمر آپؓ کو غیر مسلم قرار دے رہے تھے تو دوسری طرف ساری دنیا اور عرب ممالک کے بڑے بڑے سربراہ آپؓ کو بہت بڑا مجاہد، سچا اور سچا مسلمان قرار دے رہے تھے ـ

آپؓ کے عجز و انکسار کا یہ عالم تھا کہ اس قدر دنیاوی مناصب عالیہ اور وجاہتوں کے حصول کے باوجود ایک مسکین درویش کی طرح ساری زندگی گذار دی، پھلوں سے لدی ہوئی اُس شاخ کی طرح جو ہمیشہ جھکی رہتی ہے ـ اور جیسا کہ حضور ایدہ اللہ نے اُس خطبہ جمعہ (فرمودہ ۶ ستمبر ۸۵ء) میں جس میں حضرت چوہدری صاحبؓ کا ذکر خیر فرمایا، وضاحت فرمائی ہے کہ آپؓ کو جو عظمتیں اور رفعتیں عطا ہوئی تھیں وہ آپؓ کے عجز و انکسار ہی کا نتیجہ تھیں۔ یہی عجز و انکسار تھا جو دُنیاوی مناصب کو آپ کی نظروں میں ہیچ کر کے دکھاتا تھا اور اس کے بالمقابل دین کی خدمت کے ہر چھوٹے سے چھوٹے موقعہ کو ایک قابل فخر کارنامہ سمجھ کر انجام دینے پر کمربستہ رکھتا تھا ـ چنانچہ حضور نے فرمایا ۱۹۴۲ء میں جبکہ آپ فیڈرل کورٹ کے جج تھے مبلغین و معلمین کے ہمراہ قادیان کے مضافات میں تبلیغ کرنے کے لئے چلے جایا کرتے تھے اور جب مغربی ممالک میں مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے تو جو چھٹیاں اور تعطیلات ملتیں، یورپ و امریکہ کے دیہاتوں کی طرف نکل جاتے اور تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیتے ـ یہی نہیں بلکہ اپنے دُنیاوی فرائض منصبی کو بھی جہاں تک بس چل سکتا تھا خالص اسلامی حُسن کے ساتھ پیش کرنے میں کوشاں رہتے ـ

پھر اسی عجز و انکسار کے نتیجہ میں خدمت خلق کے کاموں میں جو نمونہ چھوڑا ہے وہ بھی قابل رشک اور قابل تقلید ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت چوہدری صاحبؓ کے بارہ میں فرماتے ہیں ـ

"ایسا انسان جس کے اندر یہ طاقت نہیں تھی کہ کسی غریب کا دُکھ برداشت کر سکے ـ جس کے حوصلے بلند ہونے کے باوجود یہ حوصلہ نہیں تھا کہ انسانیت کو سسکتا ہوا دیکھے اور بے حسی سے گذر جائے ـ ان پہلوؤں سے آپ کے حوصلے کا قد بہت ہی چھوٹا تھا بلکہ زمین کے ساتھ بچھا ہوا تھا ـ عجز کے ایک یہ بھی معنے ہیں ـ"

(بدر ۳۱/۱۰/۸۵)

چنانچہ بیسیوں مصیبت زدگان مستقل طور پر آپ کے صدقہ جاریہ سے استفادہ کرتے رہے ـ اور مختلف رنگوں میں جہاں آپ کی خداداد صلاحیتوں سے قوموں نے استفادہ کیا وہاں آپکے مال سے درجنوں غریب و مساکین و بیوگان و یتامیٰ ـ بیمار، معذور اور غریب ہونہار طلباء وغیرہ نے استفادہ کیا ـ

جہاں تک مالی قربانیوں کے معیار کا تعلق ہے وہ بھی قابل رشک اور قابل تقلید ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت چوہدری صاحبؓ بفضلہ تعالیٰ ایک صاحب حیثیت انسان تھے ـ آپ کی آمدنی ہزاروں میں تھی لیکن ایسی مشہور زمانہ ہستی اگر دُنیاوی لحاظ سے اپنی زندگی گذارتی تو آمد و خرچ برابر رہتا بلکہ بسا اوقات ایسے لوگوں کے اخراجات اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ جائز آمد سے پورے ہی نہیں ہو پاتے ـ لیکن جیسا کہ بتایا گیا ہے، حضرت چوہدری صاحب کے ذاتی مصارف بہت معمولی تھے یہی وجہ تھی کہ خدمت خلق کے کاموں اور اشاعت اسلام کے لئے مالی قربانیوں میں اس نمایاں رنگ میں حصہ لیتے رہے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا ساری آمدنی آپؓ کی اسی طرف خرچ ہو رہی ہے ـ

جوبلی فنڈ میں غالباً سب سے زیادہ وعدہ آپؓ ہی کا تھا ـ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ میں ذکر فرمایا ہے کہ زندگی کے آخری سالوں میں دو لاکھ پاؤنڈ اس وعدہ کی رقم سے قابل ادا تھے جس کا آپکے بیحد فکر تھا اور ایک بڑا سرمایہ آپ کا ایک جگہ پھنسا ہوا تھا جس کے نکلنے کی بظاہر اُمید نہ تھی ـ لیکن آپ کی تڑپ اور حضور انور کی دُعاؤں اور تدبیر سے وہ رقم واپس ہوئی اور خدا نے باوجود شدید بیماری کے حملوں کے آپ کو مہلت نہیں دی جب تک کہ آپکے وعدے کی ایک ایک پائی ادا نہ ہو گئی۔

نظام خلافت سے وابستگی اور خلیفہ وقت کی اطاعت و فرمانبرداری، حضرت چوہدری صاحبؓ کی زندگی کے لائحہ عمل کا سب سے نمایاں اور اہم شعبہ تھا ـ یہ بھی ایک علیحدہ اور مفصل مضمون ہے ـ خلاصہ یہ کہ نظام خلافت کے ساتھ آپؓ کی وابستگی اور خلیفہ وقت کی اطاعت و فرمانبرداری اپنے اندر ایک وفاداری بلکہ جاں نثاری کا رنگ لئے ہوئے تھی ـ دربار خلافت سے جو بھی حکم صادر ہوتا، جو بھی تحریک جاری ہوتی ـ کبھی دائیں یا بائیں آگے یا پیچھے نہیں دیکھتے تھے بلکہ صرف حکم اور تحریک پر نظر رہتی اور اسی کی سیدھ میں اپنی تمام تر ہمتوں کے ساتھ دوڑے چلے جاتے تھے ـ بہت سے واقعات اس ضمن میں مل سکتے ہیں لیکن زبانی سُنے ہوئے صرف ایک چھوٹے سے واقعہ کے بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں ـ اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے نوجوانوں کو تحریک فرمائی کہ وہ نشانہ غلیل میں بھی مہارت حاصل کریں اور ہر خادم کے پاس اپنی غلیل ہونی چاہیئے تو کسی نے دیکھا کہ اسی سالہ بزرگ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے کوٹ کی جیب میں بھی ایک غلیل موجود ہے ـ!

پس حقیقت یہی ہے کہ جو ساری دینی و دُنیاوی برکات آپؓ نے حاصل کیں وہ محض والدین کی خدمت و اطاعت اور مامور زمانہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے کرام کے ساتھ جاں نثاری کی حد تک وفاداری اور خدا ترسی اور تقویٰ شعاری کے نتیجہ میں بفضل خدا حاصل ہوئیں۔ آپؓ کی دینی و دُنیاوی خدمات اور اس پر اپنوں اور غیروں کی طرف سے خراج تحسین، صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک روشن دلیل ہے ـ

اس مضمون کو جو میں نے حضرت چوہدری صاحبؓ کے والدین کی بشارتوں کے ذکر سے شروع کیا تھا، آخر میں دو خلفائے کرام کی بشارتوں کے سُنانے کے ساتھ ختم کرتا ہوں ـ

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنے دورہ یورپ کے دوران حضرت چوہدری صاحب کی محبت ـ فدائیت اور دینی خدمات کے جذبہ کو دیکھ کر آپ کی بہت تعریف فرمائی اور پھر بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ :ـ

"اللہ تعالیٰ ان کی خدمت کو بغیر معاوضہ کے نہیں چھوڑے گا ـ اور ان کی محبت کو قبول کرے گا ـ اور اس دُنیا میں اور اگلی دُنیا میں اس کا ایسا معاوضہ دے گا کہ پچھلے ہزار سال کے بڑے آدمی اس پر رشک کریں گے ـ"

(الفضل ۲۲ مئی ۱۹۵۵ء)

پھر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰ ستمبر ۱۹۸۵ء میں حضرت چوہدری صاحبؓ کے رُوحانی مقام پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا :ـ

"خلافت کے بعد .... مجھے .... پہلے کشف میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ ہی دکھائے گئے ....

میں نے صبح کی نماز کے بعد کشفاً بڑے واضح طور پر ایک نظارہ دیکھا کہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب لیٹے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کر رہے ہیں اور میں وہ باتیں سُن رہا ہوں .... (بہر حال) اللہ تعالیٰ کی محبت کے کچھ سلوک تھے جو براہ راست ان پر ہمیشہ نازل ہوتے رہے کچھ خدا نے دوسروں کو بھی دکھایا ـ مجھے بھی دکھایا کہ میں اس شخص سے پیار کرتا ہوں ـ"

(بدر ۳۱/۱۰/۸۵)

الغرض دینی و دُنیاوی لحاظ سے حضرت چوہدری صاحبؓ کی زندگی ایک کامیاب اور بامراد زندگی تھی جس کا ہر شعبہ قابل تحسین اور قابل رشک اور قابل تقلید ہے ـ دُعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت چوہدری صاحب رضی اللہ عنہ کو جنت الفردوس، اعلیٰ علیین میں مقام قُرب عطا فرمائے اور ہم سب کو آپؓ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حضرت چوہدری صاحبؓ کی خوبیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد احباب جماعت کو رغبت دلاتے ہوئے فرمایا :ـ

"ہمیں صدمہ تو ہے، بڑا گہرا صدمہ ہے ـ لیکن اس صدمہ کے نتیجے میں مہمیز کا سا اثر ہونا چاہیئے، مایوسی کا اثر نہیں ہونا چاہیئے .... اس لئے آپ کو اگر خدا ظفر اللہ خان نہیں بنا سکتا تو اپنی اولاد کو بنانے کی کوشش کریں ـ اور اولاد در اولاد کو یہ بتاتے چلے جائیں کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کا کہ ایک نہیں دو نہیں بکثرت ایسے غلام عطا فرمائیگا جو عالمی شہرت حاصل کریں گے جو علم و فضل کے مضامین میں حیرت انگیز ترقیات حاصل کریں گے۔ جو بڑے بڑے فلسفیوں کے منہ بند کر دیں گے اور قومیں ان سے برکت پائیں گی ـ

تو خدا کرے کہ بکثرت اور بار بار ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھیں ـ"

(بدر ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۵ء)

وآخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العالمین ؛

سلسلۂ انبیاء ــــ اور ــــ سُنّتُ اللہ

از مکرم گیانی عبادُ اللہ صاحب مقیم میامی (امریکہ)

جب سے یہ جہان اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس میں دن رات کا لامتناہی سلسلہ بھی جاری ہے۔ ہر آنے والا دن اپنے ساتھ رات کا پیغام لے کر طلوع ہوتا ہے اور ہر رات اپنے ساتھ دن کی بشارت لئے ہوئے آتی ہے۔ اسی طرح ہمارے خالق و مالک نے روحانی طور پر بھی رات اور دن کی آمد و رفت شروع کر رکھی ہے۔ جب لوگ اپنے خالق اور مالک کو بھلا کر ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے ہیں تو وہ زمانہ روحانی رات کہلاتا ہے۔ اس سلسلہ میں گورو گرنتھ صاحب میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ:-

جے سو چندا اگوہے سورج چڑھے ہزار
ایتے چانن ہوندیاں گور بن گھور اندھار
(گورو گرنتھ صاحب صفحہ ۴۶۳)

یعنی اگر سینکڑوں چاند اور ہزاروں سورج مل کر بھی روشنی دیں تو اس اندھیرے کو دور نہیں کر سکتے جو ایک مامور من اللہ کی روشنی دور کر سکتی ہے۔ اس کے بغیر تو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی مضمون کو اس طرح بیان فرمایا ہے ؎

سو چڑھے سورج نہیں بن روئے دلبر روشنی
یہ جہاں بے وصل دلبر ہے شب تاریک و تار

جب بھی دنیا میں ضلالت و گمراہی زور پکڑتی رہی اور لوگ صراط مستقیم سے بھٹک جاتے رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم فرما کر اپنے کسی نہ کسی مامور کو مبعوث فرماتا رہا ہے اور اس طرح بھولے بھٹکے لوگوں کو راہ راست پر لانے کے ہمیشہ سے سامان کرتا رہا ہے۔ اسی سلسلہ میں گورو گرنتھ صاحب میں کیا خوب بات بیان کی گئی ہے کہ

جے تیں رب وِسار یا تاں رب نہ وِسریو ہے
(گورو گرنتھ صاحب صفحہ ۱۳۸۳)

یعنی لوگ تو خدا تعالیٰ کو بھلا دیتے ہیں مگر وہ انہیں نہیں بھلایا کرتا بلکہ ان کی ہدایت کے سامان برابر کرتا چلا آ رہا ہے۔

دنیا کے ہر مذہب نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ جب لوگوں کی اکثریت بگڑ گئی اور لوگ صراط مستقیم سے بھٹک گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے سامان کئے کیونکہ ایسے وقت میں یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ لوگ خود انجمنیں بنا بنا کر یا سوسائٹیوں کی شکل میں جمع ہو کر دنیا کی اصلاح کر لیں یا کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یا ان کے وہ علماء جن کی موجودگی میں لوگ خدا تعالیٰ سے دور چلے گئے وہ انہیں پھر سے شیطان سے توڑ کر رحمان سے جوڑنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اسی بات کے پیش نظر خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بیان فرمایا ہے کہ:-

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ

خدا تعالیٰ کی مقدس دائمی اور آخری شریعت کی اس پاک آیت سے ہمیں یہی راہنمائی ملتی ہے کہ لوگوں کو شیطان کے چنگل سے نکال کر رحمان کی غلامی میں لانا۔ مولویوں، پنڈتوں یا راہبوں کا کام نہیں۔ بلکہ یہ تو خدائے واحد کا اپنا کام ہے اور اسی مقصد کے لئے ہی اللہ نے ہر ایک قوم میں اپنے رسول مبعوث کئے اور ان سب کے آخر میں اپنے مقدس خاتم النبیین رسول کو مبعوث فرما دیا۔

پس اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جن مولویوں اور پنڈتوں کی موجودگی میں لوگ گمراہ ہو گئے اور خدا تعالیٰ سے دور ہو گئے ان کو پھر سے آستانہ الوہیت پر لانا اور خدا تعالیٰ کے فرمانبردار بنانا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ مذاہب عالم کی تاریخ سے ایک بھی ایسی مثال پیش نہیں کی جا سکتی کہ جب لوگوں کی اکثریت بگڑ گئی ہو اور صراط مستقیم سے بھٹک گئی ہو تو ان کے علماء نے مل کر اس بگاڑ کو دور کر کے لوگوں کو صراط مستقیم پر گامزن کر دیا ہو بلکہ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ اپنے کسی نہ کسی مامور کو مبعوث کر کے ہی دنیا کی اصلاح کے سامان کرتا رہا ہے یہ ہی وہ بات ہے جس کو سری رام چندر جی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:-

جب جب ہوت دھرم کی ہانی
باڑھیں اسُر ادھم ابھیمانی
تب تب پربھو دھر وِوِدھ سریرا
ہرہیں کرپا ندھ سجن پیرا
(راماین بال کانڈ)

کیسی عمدہ بات بیان کی گئی ہے کہ جب دنیا میں دھرم مٹ گیا ہو اور برے لوگوں کی کثرت ہو گئی ہو پھر اس وقت لوگ خود دھرم کو قائم نہیں کر سکتے بلکہ دوبارہ ایسا ہوتا ہے جبکہ خدا تعالیٰ کا مامور دنیا میں ظاہر ہو اور دنیا میں دھرم کو قائم کرے۔

اسی مضمون کو سری کرشن جی نے بھگوت گیتا میں یوں بیان فرمایا ہے

یدا یدا ہی دھرمسیہ گلانر بھوتی بھارت
ابھیوتھانم ادھرمسیہ تدا تمانم سرجامیہم
پری ترانایہ سادھونام وناشیہ چہ دشکرتام
دھرم سنستھاپنارتھایہ سمبھوامی یگے یگے
(بھگوت گیتا ادھیائے ۴)

اس سے بھی واضح ہے کہ جب دنیا میں ادھرم پھیل جاتی ہے اور لوگ صراط مستقیم سے ہٹ کر ادھر ادھر بھٹک رہے ہوتے ہیں تو وہ وقت ایسا نہیں ہوتا کہ لوگ مل جل کر دھرم کو قائم کر سکیں اور بے دینی دور کرنے کا انتظام کر سکیں کیونکہ جن لوگوں کی موجودگی میں ادھرمی پھیل گئی وہ اسے دور کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے ایسے وقت میں دنیا کا خالق و مالک خدا تعالیٰ ہی حرکت میں آتا ہے اور دنیا کی اصلاح کے لئے اپنے کسی مامور کو مبعوث کرتا ہے اور وہ مامور دنیا کو یہ روحانی مژدہ سناتا ہے کہ ؎

میں وہ پانی ہوں جو آیا آسماں سے وقت پر
میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

قرآن شریف سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ جب بھی لوگوں کی اکثریت بگڑ جاتی ہے اور شرک میں مبتلا ہو جاتی رہی ہے تو کبھی مولوی صاحبان اس بگاڑ کو دور کر کے توحید قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی شفقت کے ماتحت اس بگاڑ کو دور کرنے کا سامان فرمایا ہے چنانچہ اس بارہ میں خدا تعالیٰ کے مقدس اور پاکیزہ کلام کا ارشاد فرمایا:-

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِم مُّنذِرِينَ

یعنی جب بھی دنیا کی اکثریت بگڑ جاتی رہی اور لوگ صراط مستقیم کو چھوڑ کر شرک کی دلدل میں پھنس جاتے رہے تو رحیم و کریم خدا تعالیٰ نے ان میں اپنی طرف سے ڈرانے والا مبعوث کر دیا جس نے لوگوں کو نئے سرے سے اپنے تازہ کلام کے ذریعہ توحید پر قائم کر دیا۔ یہی سُنّت اللہ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور ہر زمانہ میں ظاہر ہوتی رہی اور قیامت تک ہوتی رہے گی کیونکہ خدا تعالیٰ کی سنت میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی جب بھی لوگوں کی اکثریت گمراہ ہو جائے گی اللہ تعالیٰ ان کو راہ راست پر لانے کے سامان کرتا چلا جائے گا سکھوں کی مقدس کتاب دسم گرنتھ میں اس سلسلہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ:-

جب جب ہوت ارشٹ اپارا
تب تب دیہہ دھرت اوتارا
(دسم گرنتھ)

یعنی جب بھی دنیا میں حقیقی معبود کی بجائے معبودان باطلہ کی کثرت ہو جاتی ہے اور لوگ خدائے واحد کو ترک کر کے شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس وقت دنیا میں مامور من اللہ ظاہر ہوتا ہے جو لوگوں کو پھر سے توحید پر قائم کرتا ہے لوگ خود کمیٹیاں بنا بنا کر اپنی اصلاح نہیں کر سکتے اور توحید پر قائم نہیں ہو سکتے۔

الغرض یہ ایک واضح حقیقت ہے جس کی مذاہب عالم کی تاریخ بھی تائید کرتی ہے کہ جب بھی لوگوں کی اکثریت بگڑ جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ہی ان کی اصلاح کے سامان کرتا ہے اور ایسے وقت میں اپنے کسی نہ کسی مامور کو مبعوث کرتا ہے اس وقت علماء کرام اور فقہاء صاحبان اور پنڈت وغیرہ لوگ کچھ بھی نہ کر سکے کیونکہ یہ ان کے بس کا روگ ہی نہیں اگر وہ اصلاح پر قادر ہوتے تو ان کی موجودگی میں لوگ بگڑ ہی نہ سکتے پس ان کی موجودگی میں لوگوں کا گمراہ ہو جانا اس امر کا بین ثبوت ہے کہ

خدا تعالیٰ نے ہدایت اور اصلاح کا سامان کر دے تو لوگ بچ سکتے ہیں ورنہ نہیں چنانچہ اسی لئے رب العالمین خدا اپنی مخلوق کو بچانے کے خود سامان کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا اسے اس بارہ میں کسی حکمران یا مولوی صاحب سے مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے اسلامی روایات کے مطابق سوا لاکھ کے قریب پیغمبر اس دنیا میں مبعوث کئے گورو گرنتھ صاحب میں بھی ان کی تعداد سوا لاکھ مذکور ہے جیسا کہ مرقوم ہے کہ:۔

سوا لاکھ پیغمبر تاں کے

(سری گورو گرنتھ صاحب صفحہ ۱۱۶۱)

دنیا کے کسی مذہب کی تعلیم سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرتے وقت کبھی کسی سے کوئی مشورہ طلب کیا ہو اور لوگوں کی مرضی معلوم کرنے کی کوشش کی ہو بلکہ علیم کل خدا نے جو مناسب سمجھا کیا اس بارہ میں قرآن شریف کا واضح ارشاد ہے کہ:۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ

یعنی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس نے کب کسے اور کہاں اپنا رسول مبعوث کرنا ہے اس بارہ میں اسے کسی حکمران یا مولوی سے کسی مشورہ کے طلب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

قرآن شریف سے یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ خدا کے ہر مقدس رسول کو لوگوں نے (نعوذ باللہ) اپنے خود ساختہ عقائد کے خلاف خیال کر کے اس کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ اور یہی دم بھرے مارے کہ وہ اس کی تعلیم کو دنیا میں قائم نہیں ہونے دیں گے بلکہ اسے بھی اس کی تعلیم کو بھی اور اس کے ماننے والوں کو بھی نیست و نابود کر کے دم لیں گے مگر دنیا نے دیکھا کہ ہر بار اللہ کے مامور ہی کامیاب ہوئے کیونکہ ان کا خدا ان کے ساتھ تھا۔ مخالفت کی آندھیاں آئیں مگر ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں ان کے ماننے والوں کو بے انتہا دکھ دیے گئے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعلیم کو قائم کر کے ہی دم لیا ہے۔

ہوا ہے تیز اور تند لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

ہمارا موجودہ زمانہ بھی اصل میں ضلالت اور گمراہی کا ہی زمانہ ہے آج چاروں طرف شرک اور بدعات کا دور ہے لوگ اس بات کو سرے سے بھول چکے ہیں کہ ان کا ایک خالق و مالک ہے جس کے سامنے انہوں نے ضرور پیش ہونا ہے اور اپنے کئے کا حساب دینا ہے اس وقت چاروں طرف ضلالت اور گمراہی کا طوفان ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور زمانہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بگاڑ دنیا کے لوگ خود دور نہیں کر سکتے اس سلسلہ میں جماعت اسلامی کے سابق سربراہ مولانا مودودی صاحب نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ:۔

"اکثر لوگ اقامت دین کی تحریک کے لئے کسی ایسے مرد کامل کو ڈھونڈتے ہیں جو ان میں سے ایک ایک شخص کے تصور کمال کا مجسمہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں یہ لوگ دراصل ایک نبی کے طالب ہیں اگرچہ زبان سے ختم نبوت کا نام لیتے ہیں اور کوئی اجرائے نبوت کا نام بھی لے دے تو اس کی زبان گدی سے کھینچنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں مگر اندر سے ان کے دل ایک نبی مانگتے ہیں اور نبی سے کم کسی سے راضی نہیں ہیں۔"

(رسالہ ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۴۲ء)

مولانا مودودی صاحب نے اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ کیوں لوگوں کے دل اندر سے ایک نبی مانگتے ہیں اور وہ نبی سے کم پر راضی نہیں؟ اس کی بس ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہی ہے کہ موجودہ زمانہ کی ضلالت اور گمراہی اس حد تک جا پہنچی ہے کہ اس کی اصلاح بغیر مامور من اللہ کے ممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے اور یہ وہی حالت ہے جس کا ذکر قرآن شریف میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَکْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْهِمْ مُّنْذِرِیْنَ

اسی بنا پر اس زمانہ کے مامور من اللہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:۔

کیوں عجب کرتے ہو گر میں آ گیا ہو کر مسیح
خود مسیحائی کا دم بھرتی ہے یہ باد بہار
زمانہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اب کسی مامور من اللہ کی ہی ضرورت ہے بغیر اس کے دنیا کی اصلاح ہی ممکن نہیں۔

خاکسار مثال کے طور پر یہاں ایک بات عرض کر دینا مناسب خیال کرتا ہے اور وہ یہ کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پاک مقدس حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا جبکہ امت مسلمہ ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی صرف ایک فرقہ ان میں سے ناجی ہوگا باقی ۷۲ فرقے ناری ہوں گے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تو حضورؐ کے صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ وہ ناجی فرقہ کون سا ہوگا؟ اس کے جواب میں حضور نے یہ نہیں فرمایا کہ جو خود کو ناجی کہے گا کیونکہ ناجی تو خود کو سبھی سمجھ رہے ہوں گے حضورؐ نے اس ناجی فرقہ کی نشانی یہ بیان کی کہ وہ میرے اور میرے صحابہؓ کی مانند زندگی گزارنے والے ہوں گے مگر آج پاکستان میں اسلام کے ٹھیکیدار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے بالکل خلاف یہ نظریہ پیش کر رہے ہیں کہ ۷۲ فرقے ناجی ہیں اور ایک فرقہ غیر مسلم اور ناری ہے یہ کس قدر اسلام اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت ہے کہ حضورؐ کی منشاء کے سراسر الٹ بات بیان کی جا رہی ہے؟ اور ظلم یہ ہے کہ اسے عین اسلام قرار دیا جا رہا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت کو اسلام کی دشمن ظاہر کیا جا رہا ہے گویا اسلام کے خلاف نظریات کا پرچار تو اسلام دوستی ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تبلیغ اسلام دشمنی **اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ**۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ دعویٰ ہے کہ

ابن مریم ہوں مگر اترا نہیں میں چرخ سے
نیز مہدی ہوں مگر بے تیغ اور بے کارزار

سو یہ جملہ ان کے ایک الہام بھی مروج ہے:۔

"تجھے اللہ مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میں نے تجھ کو مسیح ابن مریم کے جوہر سے پیدا کیا ہے اور تو اور عیسیٰ ایک ہی جوہر سے اور ایک ہی جنس کے مانند ہیں۔"

(تذکرہ صفحہ ۔۔)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضورؑ کی قائم کردہ جماعت نے جس رنگ میں اسلام کی خدمت کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس سلسلہ میں ہم احرار اسلام کے مشہور لیڈر چوہدری افضل حق صاحب کا ایک بیان پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ چوہدری صاحب مرحوم فرماتے ہیں کہ:۔

"آریہ سماج کے معرض وجود میں آنے سے قبل اسلام جسد بے جان تھا جس میں سے تبلیغی حس مفقود ہو چکی تھی۔ سوامی دیانند کی مذہب اسلام سے متعلق بدظنی نے مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لئے چوکنا کر دیا۔ مگر حسب معمول جلد ہی خواب گراں ان پر طاری ہو گئی۔ مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں سے تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لئے پیدا نہ ہو سکی ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اٹھا ایک مختصر سی جماعت لے کر آگے بڑھا ۔۔۔ (حضرت) مرزا غلام احمد (علیہ السلام) ۔۔۔ اپنی جماعت میں ایسی اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا کہ جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے قابل تقلید ہے بلکہ دنیا کی تمام اشاعتی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے۔"

(فتنۂ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں صفحہ ۴۶)

افسوس کہ آج اسلام کے ٹھیکیدار اس مقدس جماعت کے خلاف صف آرا ہیں اور اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔

اعلان

جملہ جماعتہائے احمدیہ بھارت کو نظارت علیا قادیان کی طرف سے آئندہ ٹرم کے انتخابات عہدیداران کے لئے خطوط و قواعد بھجوا دئے گئے ہیں آئندہ ٹرم کی مدت ۸۶/۵/۱ سے ۸۹/۴/۳۰ تک ہوگی امید ہے جملہ امراء و صدر صاحبان جلد سے جلد انتخابات کروا کر منظوری کے لئے کاغذات مرکز احمدیت قادیان کو ارسال فرمائیں گے اس امر کی کوشش کی جائے کہ ہر شعبہ کا الگ سیکرٹری مقرر کیا جائے اور خصوصاً مالی تحریکات کے لئے الگ الگ سیکرٹری ہونا ضروری ہے۔

(ناظر اعلیٰ قادیان)

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پندرہ روزہ ترجمان تعمیر حیات

کی

کلمہ طیبہ سے دشمنی کا شرمناک مظاہرہ

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پندرہ روزہ ترجمان "تعمیر حیات" کی ۲۵ ستمبر اور ۱۰ اکتوبر کی اشاعتوں میں جناب مولوی محمد عارف صاحب استاذ التفسیر ندوہ کی طرف سے جماعت احمدیہ کے خلاف ایک سوقیانہ مضمون بالاقساط شائع ہوا ہے جس میں پاکستان کے فوجی سربراہ جنرل محمد ضیاء الحق اور ان کی ظالمانہ حکومت کے توہین کلمہ طیبہ سے متعلق قابل صد نفرین اقدام کو قابل تحسین فعل قرار دیا گیا ہے موصوف لکھتے ہیں:-

"اب رہ جاتی ہے قادیانی مساجد پر لکھے ہوئے کلمہ طیبہ پر سفیدی پھیرے جانے کی بات..... تو یقیناً وہ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں اور اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو دین کی حفاظت کے مجرم ٹھہریں گے۔"

گویا ندوی صاحب کے نزدیک کلمہ طیبہ مٹانا اس کی توہین کرنا عین دین کی حفاظت ہے ؎

واہ رے جوش جہالت خوب دکھایا اثر
کفر کی تائید میں خطبے کریں دیوانہ وار

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کلمہ طیبہ کے تو وہی الفاظ ہیں جن کو ندوہ کے علماء بھی اسلام کی بنیاد تصور کرتے ہیں کیا کوئی ہندو یا عیسائی یہی کلمہ لکھے جیسا کہ بعض غیر مسلم قرآن شریف کی کتابت کرتے ہیں اور بعض غیر مسلموں نے قرآن شریف کو شائع بھی کیا ہے تو کیا ندوی علماء اس کو بھی مٹانے اور پاؤں تلے روندنے کی جسارت کریں گے؟ ؎

تبیّنوا تدبّروا
اپنی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت پر یہ ادا نہ دے

ایک دلیل

ندوی صاحب نے اپنی طرف سے ایک دلیل بھی دی ہے اور وہ یہ ہے کہ:-

"اس کی نظیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھوں قائم ہو چکی ہے واقعہ یہ پیش آیا کہ مدینہ کے منافقوں نے اپنے سرغنے ابو عامر راہب کے مشورہ بلکہ حکم سے مدینہ طیبہ میں ایک عمارت منافقوں کی خفیہ کارروائیوں کے لئے تعمیر کی تھی اور اس کا نام انہوں نے مسجد تجویز کیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی منافقوں کی اس تخریبی اسکیم کی اطلاع فرمائی آپ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اس عمارت کو منہدم کر دیا جائے چنانچہ صحابہ کرام نے اس عمارت کو ڈھایا اور اس میں آگ لگائی۔"

الجواب:-

اس میں تو کسی جگہ نہیں لکھا کہ ان منافقوں کے لکھے ہوئے کلمہ پر سیاہی پھیری گئی تھی یا ان کے لکھے ہوئے کلمہ کو زمین پر پھینک کر پاؤں کے نیچے مسلا گیا تھا یا انہیں کلمہ لکھنے یا پڑھنے کی ممانعت کی گئی تھی بلکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے کہ کلمہ پڑھنے والوں پر کفار مکہ مصائب کے پہاڑ توڑتے تھے اور یہی کچھ پاکستان میں آج دجال کی ظالم حکومت احمدیوں کے ساتھ کر رہی ہے۔ پس ؎

کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

باقی رہا منافقوں کی اس عمارت کو گرانے کا سوال جس کا نام انہوں نے مسجد رکھ دیا تھا۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا کی کوئی حکومت اس قسم کی بغاوت کو برداشت نہیں کر سکتی جس قسم کی بغاوت اسلامی حکومت میں ان منافقوں نے کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اقدام کلیتہً وحی الٰہی پر مبنی تھا جب کہ جنرل محمد ضیاء الحق اور اس کے کارندے یہ سب کچھ محض سیاسی اغراض کے لئے کر رہے ہیں ورنہ محض اختلاف عقیدہ کی بناء پر اسلام دوسروں کی عبادت گاہوں اور ان کے شعائر کی بے حرمتی کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن جماعت احمدیہ جو قانون کی پابند جماعت ہے اور اپنے ملک کی حکومت سے پورا پورا تعاون کرتی ہے کو محض زک دینے کے لئے کلمہ طیبہ کی توہین کرنا ایک ایسی شرمناک جسارت ہے جس کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔

اُمتی نبی

ندوی صاحب نے اپنے مضمون میں مسئلہ ختم نبوت پر بھی طبع آزمائی فرمائی ہے اور اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ ذیل تحریرات پیش کی ہیں کہ:-

(۱) "اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے چشمہ سے لیتا ہے ..... میری نبوت و رسالت باعتبار محمد و احمد ہونے کے ہے نہ کہ میرے نفس کی رو سے اور یہ نام بحیثیت فنا فی الرسول مجھے ملا ہے لہٰذا خاتم النبیین کے مفہوم میں فرق نہ آیا۔"

(۲) "اس اُمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزارہا اولیاء ہوئے ہیں۔ اور ایک وہ بھی ہوا جو اُمتی بھی ہے اور نبی بھی۔"

"تعمیر حیات" نے حضور علیہ السلام کی جو تحریریں پیش کی ہیں ان سے تو بالبداہت یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضور کا دعویٰ اُمتی نبی ہونے کا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور پیروی کا نتیجہ ہے اور یہ دعویٰ آیت خاتم النبیین کے ہرگز منافی نہیں ہے لہٰذا کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اسے ختم نبوت کے خلاف قرار دے کیونکہ مقولہ حکمت ہے کہ

تعبیر القول بما لا یرضیٰ

یہ تھا بلکہ یہ تو امر حق۔ خود بانی دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتوی اسی مفہوم کو تسلیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔"

(تحذیر الناس)

"پیدا ہو" کے الفاظ خاص توجہ کے قابل ہیں۔

مستقبل نبی

اس کے مقابل پر ہمارے غیر احمدی بھائی جو تمام زمانہ حکومت اور نادری حقیقی مستقل نبی جن پر انجیل نازل ہوئی اور جن کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے اب اُمت محمدیہ میں ہمیشہ کر کے حق کہ جن کا کلمہ بھی جدا ہے اور ان کے علما نے یہ تحریر کیا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ عیسیٰ روح اللہ ان کی آمد کے لئے سراپا چشم براہ ہیں۔ ہم ڈنکے کی چوٹ سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ یہ عقیدہ رکھ کر در حقیقت یہ خود ختم نبوت کے منکر قرار پاتے ہیں اور اب بڑھتے بڑھتے کلمہ کی توہین پر اتر آئے ہیں ؎

اپنا ایمان کو ذرا پردہ اٹھا کر دیکھا
مجھ کو کافر کہتے کہتے خود ہی کافر ہو گئے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان علماء سو کو قرآن کریم کی تیس آیات نکال کر دکھائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ حدیث نبوی سے ۱۲۰ سال ان کی عمر دکھا دی مگر ان کے دل نہ پسیجے اب پھر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ایک نہایت ہی شاندار اور مسکت چیلنج ان لوگوں کو دیا ہے فرمایا۔

"اگر جماعت کو مارنا ہے تو دس صدیاں پرانے آدمی کو مارنے سے جماعت نہیں مرے گی۔ ایک آدمی کو زندہ کر کے دکھا دو ساری جماعت مر جائے گی وہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ میں جماعت احمدیہ کی طرف سے چیلنج دیتا ہوں نہیں اس بات پر جھگڑا ختم ہو جاتا ہے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تم نے زندہ کر دیا تو خدا کی قسم میں اور میری ساری جماعت سب سے پہلے بیعت کرے گی۔ میں اس خدا کی عزت و جلال

دسی دیو شیع کو دیکھنا چاہے تو میں ہی موسیٰ اور یوشع ہوں اور اگر تم میں سے کوئی عیسیٰ و شمعون کو دیکھنا چاہتا ہے تو سن لے کہ میں ہی عیسیٰ اور شمعون میں ہوں اور اگر تم میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المومنین علی" کو دیکھنا چاہتا ہے تو سن لے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المومنین علی میں ہوں"۔

(بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۲)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ دعویٰ حدیث نبوی کے عین مطابق ہے جس پر اعتراض وارد کرنا پہلے درجہ کی نادانی ہے۔

مقام صحابہ رضی اللہ عنہم

ندوی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

" مرزا جی کا ایک شعر ہے ؎

مبارک وہ جو اب ایمان لایا
صحابہؓ سے ملا جب مجھ کو پایا

تو مرزا صاحب کی زیارت سے درجہ صحابیت بھی حاصل ہوتا ہے"۔

الجواب :۔ مسلم شریف میں ایک حدیث ہے جس میں آنے والے مسیح کو "نبی اللہ" بھی کہا گیا ہے "صلی اللہ علیہ وسلم" بھی کہا گیا ہے اور اس پر ایمان لانے والوں کے لئے "اصحابہ" اور "رضی اللہ عنہم" کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ "فیرغب نبی اللہ عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ رضی اللہ عنہم"۔ اس عبارت حدیث میں جو مسلم شریف میں ہے۔ یہ سب باتیں موجود ہیں۔ مگر ندوی صاحب ماننے کو تیار نہیں۔ قرآن کریم سورہ جمعہ کی آیت "واٰخرین منھم لمّا یلحقوا بھم" میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ رجل فارس مسیح موعود کے وجود میں بتائی گئی ہے۔ مندرجہ بالا احادیث میں بھی بڑی وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ جب مسیح موعود کا ظہور ہوگا تو وہ نبی اللہ ہوگا اس کے مومنین صحابہ کہلائیں گے اور ان کے لئے رضی اللہ عنہم بولا جائے گا اور یہ سب کچھ آج زمین کے کناروں تک ہو رہا ہے اور یہ پیشگوئی پوری ہو چکی ہے۔ مگر ندوۃ العلماء کے یہ کیسے عالم ہیں کہ جو علامہ اقبال کے اس شعر کا منظر دکھائی دیتے ہیں کہ ؎

ذلیے بڑے بے ہیں ہمارے یہ فقیہان حرم

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ان علماء سے مسئلہ ختم نبوت میں ہمارا کوئی اصولی اختلاف نہیں ہے بلکہ اختلاف محض یہ ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں اور یہ محض تعیین شخصیت کا اختلاف ہے ختم نبوت کا نہیں۔ واضح رہے کہ جب کسی وفات یافتہ کا نام دوسرے کو دیا جاتے تو اس سے تشبیہ ہی مراد ہوتا ہے۔ جیسے سخاوت کی وجہ سے کسی کو حاتم کہا جاتا ہے یا لوگ اپنے بچوں کے عیسیٰ موسیٰ یا محمد نام رکھ لیتے ہیں تو اس سے محض تشبیہ مراد ہوتی ہے۔ اصل مراد نہیں ہوتا۔ پس آنے والے مسیح کو اگر ابن مریم کہا گیا تو یہ کوئی بعید از عقل بات نہیں ہے ہر زبان میں یہ تشبیہ استعمال ہوتی ہے۔ جہاں حقیقی معنے متعذر ہوتے ہیں وہاں مجازی معنے مراد ہوتے ہیں۔ مثیل ابن مریم اسی لئے کہا گیا کہ یہ بلاغت کا قاعدہ ہے جو ہر زبان میں استعمال ہوتا ہے کہ جب حروف تشبیہ حذف کئے جاتے ہیں تو وہ تشبیہ بلیغ ہوتی ہے "اذا حُذِفَ اداۃ التشبیہ فھو تشبیہٌ بلیغٌ"۔ یعنی کسی سخی آدمی کو حاتم کی طرح ہے کہنے کی بجائے یہ کہنا کہ "وہ حاتم ہے" زیادہ بلیغ ہے۔ لہذا ابن مریم کا استعمال زیادہ بلیغ ہے جو آنے والے مسیح کے لئے حدیث میں استعمال ہوا ہے۔

آیات قرآنی

ندوی صاحب نے اس امر کو بھی بطور اعتراض پیش کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آیات قرآنی میں بھی الہامات ہوتے حالانکہ وہ خود استاذ التفسیر ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ اُمت محمدیہ میں متعدد بزرگان اُمت پر قرآن کریم کی آیات بطور الہام نازل ہوتی رہی ہیں۔ ندوی صاحب کا یہ اعتراض محض تجاہل عارفانہ ہے۔

حضرت مسیح کی ولادت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بن باپ ہوئی تھی لیکن

ندوی صاحب نہایت تلبیس اور کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے لکھتے ہیں

"مرزا غلام احمد (علیہ السلام) کا بیان حضرت مریم پر یہ ہے کہ یوسف نام کے ایک بڑھئی کے ساتھ حضرت مریم کے تعلق کے نتیجہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوتے تھے نعوذ باللہ من ھذا الکفر"۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی جگہ بھی ایسا نہیں لکھا بلکہ اس کے مقابل پر جگہ جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت بلا باپ ہی تحریر فرمائی ہے۔ حضور فرماتے ہیں

" اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار کے نطفہ سے پیدا ہوئے وہ جہالت کی وجہ سے حقیقت کو نہیں جانتے"۔ ۲۲

(ترجمہ عربی مواہب الرحمان)

نیز فرمایا :۔

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالے کی قدرت مجردہ سے بے باپ پیدا ہوتے"۔

("صفحہ ۲۹")

اس سلسلہ میں بہت سی تحریرات حضور کی پیش کی جا سکتی ہیں پس ندوی صاحب کی یہ ایک بدترین علمی خیانت ہے کہ جو "تعبیر القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ باطل" کے مصداق خود باطل قرار پاتی ہے وھو المراد۔

ان اعتراضات کو بنیاد بنا کر ندوی صاحب نے مسٹر ضیاء الحق کی توہین کلمہ طیبہ کی تائید کی تھی۔ ہماری طرف سے ان کا مدلل اور مسکت جواب دے دیا گیا ہے۔ لہذا ندوی صاحب کی وہ تمام لعنتیں جو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ڈالی ہیں لوٹ کر خود ان کے اپنے منہ پر پڑ رہی ہیں فاعتبروا یا اُولی الابصار

کچھ ندوۃ العلماء اور اس کے بانی کے متعلق

ہمیں کچھ ضرورت نہ تھی کہ ندوۃ العلماء اور اس کے بانی مولوی محمد علی صاحب مونگیری کے متعلق کچھ لکھتے لیکن ندوۃ العلماء کے سربراہ کی "تعیر تیمیا" جن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جس طرح پر [illegible] کی گئی ہے اس

کو دیکھتے ہوئے ہمارے لئے بھی اس ادارہ کی حقیقت بیان کرنا ضروری ہو گیا ہے تاکہ ثابت ہو کہ آج جو لوگ کلمہ طیبہ کو مٹانے اور اس کی توہین کرنے پر اتر آئے ہیں یہ ان کا قصور نہیں بلکہ ان کی خمیر کا قصور ہے

انگریزی حکومت کا تحفہ

دنیا جانتی ہے کہ ندوۃ العلماء کی عمارتیں جس زمین میں استوار ہیں انگریزی حکومت نے بطور تحفہ دی تھیں جس کی وجہ سے ایک جلسہ شکریہ منعقد کیا گیا اور پھر انگریز گورنر کے ہاتھوں اس عمارت کا سنگ بنیاد بھی رکھوایا گیا۔ یہ سب کچھ ان کے رسالہ الندوہ میں شائع ہو چکا ہے ملاحظہ ہو

" ندوہ اگرچہ پالٹکس سے بالکل الگ ہے لیکن چونکہ اس کا اصل مقصد روشن خیال علماء کا پیدا کرنا ہے اور اس قسم کے علماء کا ایک ضروری فرض یہ بھی ہوگا کہ گورنمنٹ کی برکات حکومت سے واقف ہو اور ملک میں گورنمنٹ کی وفاداری کے خیالات پھیلائیں

(الندوہ جلد ۵ جولائی ۱۹۰۸ء)

" ۳۰ راگست ۱۹۰۸ء کو ندوۃ العلماء کی طرف سے جلسہ شکریہ گورنمنٹ جس شان و شوکت سے منعقد ہوا اور جس کامیابی کے ساتھ ختم ہوا اس کے حالات انگریزی اور اردو اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں"۔

(الندوہ، لکھنؤ ستمبر ۱۹۰۸ء)

پھر نومبر ۱۹۰۸ء کے پرچے میں پہلے صفحہ پر لکھا ہے کہ :۔

" حکومت انگریزی کی پنجاہ سالہ جوبلی کی خوشی میں دارالعلوم ندوہ میں ایک دن کی تعطیل دی گئی اور جناب گورنر جنرل بہادر کی خدمت میں ندوہ کی طرف سے مبارکباد کا تار بھیجا گیا"۔

اس کے بعد ۲۸ نومبر ۱۹۰۸ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کا سنگ بنیاد ہز آنر لیفٹیننٹ گورنر بہادر ممالک متحدہ سر جان سکاٹ ہوسٹ کے سی ایس آئی ۔ ای نے رکھا اور علماء نے بیان کیا کہ مسجد نبوی کا تعمیر بھی ایک نصرانی نے بنایا تھا۔ سر جان سکاٹ ہیوسٹ کی آمد پر ارکان انتظامیہ ندوہ

(باقی صفحہ ۲۲ پر دیکھئے)

خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ کے لُغوی مَعنیٰ

از مکرم سید عبد العزیز صاحب۔ مقیم نیو جرسی۔ امریکہ

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد چہارم کے مطابق مُہر کی پانچ قسمیں ہیں :۔

(۱) ۔ ایک وہ مُہر جسے عُرفِ عام میں مُہر کہتے ہیں۔ جیسے زید کی مُہر یا عمر کی مُہر یا کسی دفتر کی مُہر ۔ غیر احمدی علماء کی اکثریت نے انبیاء کی مہر (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو اسی قسم کی مُہر سمجھ لیا ۔ چونکہ زید یا عمر کی مُہر بے جان ہوتی ہے ۔ اس لئے مجبوراً ایسے علماء کو مُہر کی غلط تاویلیں کرنی پڑیں ۔

یہ ظاہر ہے کہ زید کی مہر زید کے مقابلہ پر ادنیٰ حیثیت رکھتی ہے ۔ اب خاتم النبیین یعنی انبیاء کی مہر (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) انبیاء کے مقابلہ پر ادنیٰ ہوگی جو کہ بالبداہت غلط ہے ، خلاف امرِ واقعہ ہے اور قرآنی آیت خاتم النبیین کے سیاق و سباق کے بھی خلاف ہے پس ثابت ہُوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، زید اور عمر کی مُہر کی طرح کوئی مہر نہیں ہیں اور غیر احمدی علماء کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام مُہر سے مثال دینا خلافِ شان رسول عربی ہے اور آپؐ کے ادب کے منافی ہے ۔ اس وضاحت کے بعد ہم امید رکھتے ہیں کہ یہ علمائے کرام آئندہ آنحضرت صلعم کی مماثلت اس قسم کی مہر کے ساتھ بیان کرنے سے اجتناب فرمائیں گے ۔ بعض بزرگانِ سلف نے جن میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں مُہر کی اس مماثلت سے احتراز کیا ہے ۔

(۲) ۔ ایک مُہر انگوٹھی کی شکل میں ہوتی ہے ۔ جس کی انگوٹھی ہو اُس پر اُس کا نام کندہ ہوتا ہے ۔ خطوط پر اس کے نقش کو ثبت کیا جاتا ہے ۔ انگلش میں اسے سگنٹ رنگ (SIGNET - RING) کہتے ہیں ۔ یہ مُہر قسم اول کی مُہر جیسی ہی ہوتی ہے ۔ لہٰذا خاتم النبیین میں جس مُہر کا ذکر ہے ۔ یہ مُہر وہ نہیں ہے ۔ کیونکہ اس سے بھی وہی نقص لازم آتا ہے جو پہلی مُہر (یعنی آنحضرت صلعم کا زید اور عمر) مقام دوسرے انبیاء کے مقابلہ پر کم کرنے سے لازم آتا ہے

(۳) ۔ مُہر سے جو نقش پیدا ہوتا ہے اُسی کو بھی مُہر کہتے ہیں ۔ اس طرح خاتم الانبیاء کے معنی نقش الانبیاء ہوئے ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جملہ انبیاءِ سابقین کے کمالات جمع ہو گئے اور اس طرح سے آپؐ افضل الانبیاء قرار پائے ۔ اس قسم کی مہر کا ذکر کرتے ہوئے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

وہ تمام کمالاتِ متفرقہ جو آدمؑ سے لے کر مسیح ابن مریم تک نبیوں کو دیئے گئے تھے ۔ کسی کو کوئی اور کسی کو کوئی ۔ وہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کر دیئے گئے اور اس طرح پر طبعاً آپ خاتم النبیین ٹھہرے "

(اخبار الحکم ۲۴ جولائی ۱۹۰۲ء صفحہ)

قارئینِ محترم نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر اور خاتم الانبیاء کی تشریح عربی لغت سے سو فیصد مطابقت رکھتی ہے ۔

(۴) ۔ مُہر کے حروف جن سے نقش پیدا ہوتا ہے اُسے بھی مُہر کہتے ہیں ایسی مُہر کو انگلش میں سیل میٹرکس (SEAL - MATRIX) کہتے ہیں ۔ یعنی منبع و ماخذ یا سانچا ۔ خاتم النبیین کے معنے اس صورت میں ابو الانبیاء کے ہوں گے یعنی نبیوں کے باپ ۔

سیل میٹرکس (SEAL - MATRIX) سے جتنی مُہریں چاہیں لگائی جا سکتی ہیں لہٰذا یہ مُہر اصل اور منبع کا کام دیتی ہے اور جو مُہر اس سے لگتی ہے وہ اصل کا ظِل ہوتی ہے ۔

اِجرائے نبوت کا ثبوت :۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا اس بات کا مقتضی ہے کہ آپؐ کے فیض سے مستفیض ہو کر آپؐ کی معنوی اولاد یعنی آپؐ کی اُمت سے کوئی درجہ نبوت پائے اور پھر ظِلّی ، انعکاسی اور اُمتی نبی کہلائے ۔ کیونکہ خاتم اُس مہر کو بھی کہتے ہیں جو اصل اور منبع کا کام دے ۔ اور ظِل پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء کے لئے منبع اور معنوی باپ ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اب کوئی اپنے تئیں نبی نہیں کہہ سکتا جب تک یہ اقرار نہ کرے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی چشمہ سے سیراب ہُوا ہے ۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا نبوت کا ایک دروازہ کھولتا ہے اور نبوت کے دوسرے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دیتا ہے ۔ اس وضاحت سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ بند کرنے کا تعلق ختم کی وجہ سے ہے بلکہ نبوت کا دروازہ ایک جہت سے اس لئے بند ہے کہ نبوت کا منبع اور سرچشمہ اب صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ یہاں خاتم کے معنے منبع اور سانچا کے ہیں ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خاتم النبیین کے مذکورہ بالا لغوی معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

" اور ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ۔۔۔ آپؐ کے بعد نبوت کے مقام پر وہی شخص فائز ہو سکتا ہے جو آپؐ کی اُمت میں سے ہو ۔ آپؐ کا کامل پیرو جس نے تمام کا تمام فیضان آپؐ کی ہی روحانیت سے پایا ہو اور آپؐ کے نور سے منور ہُوا ہو ۔ "

(مواہب الرحمان صفحہ ۶۶ - ۶۷)

(۵) ۔ مُہر اُس چیز کو بھی کہتے ہیں جو کھُدی ہوئی ہو ۔ بعض دفعہ پتھر پر کچھ کندہ کیا جاتا ہے اور بعض دفعہ کنکریٹ پر جبکہ اُس سے ابھی پانی پوری طرح خشک نہیں ہُوا ہوتا ۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی مہر سے کوئی نقش پیدا نہیں کیا جا سکتا ۔ اور اس قسم کی مُہر کا انبیاء کی مُہر سے کوئی ربط یا تعلق نہیں ہے

اوپر کے بیان خصوصاً مُہر کی چوتھی قسم سے یہ ثابت ہے کہ خاتم النبیین ، اجرائے نبوت کی دلیل ہے ۔ لیکن شرط یہ ہے کہ حاملِ نبوت نے روحانی ٹریننگ کے لئے حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں وقت گذارا ہو اور آپؐ کا اُمتی ہو پیشتر اس کے کہ وہ نبی کا لقب پا سکے ۔ حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں روحانی نشو و نما حاصل کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ جسمانی زندگی کیلئے بچے کا رحمِ مادر میں رہنا ۔ لفظ خاتم اس پر دلیل ہے (Seal. Matrix) ۔ اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ جو شخص حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی نہیں ہے اس کیلئے دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہے وما علینا الا البلاغ

مُشکلیں سَب دُور کر مُشکل کُشا

از محترم مرزا محمد یوسف صاحب ایاز ۔ بدوملہی ۔

ظلمتیں کا نور کر میرے خدا
مالکِ کل ، خالقِ ارض و سما

صبر و استقلال کی توفیق دے
آزمائش میں نہ کرنا مبتلا

کلفتوں کو راحتوں میں دے بدل
درد کے ماروں کی سن آہ و بکا

رات کی سوز و گدازی کر قبول
بابِ رحمت کھول دے میرے خدا

بخش دے فضلوں سے اپنی نعمتیں
قوتِ ایمان ، تسلیم و رضا

آ ، غم و آلام سارے دور کر
حوصلہ خود بخش اپنے پیار کا

رحم کے در کھول دے ربّ العباد
کامراں کر ، کامیابی کر عطا

آ مرے پیارے یہ ہے وقتِ محن
مشکلیں سب دور کر مشکل کشا

درد کے مارے تیرے در پر گرے
جا نہیں سکتے کہیں تیرے سوا

ہے گنہگاروں میں اک ایاز بھی
بخش دے اس کو رحیم و رب نا

باتیں حضرت قاضی محمد اسلم صاحب مرحوم کی

از مکرم نصیر احمد صاحب مقیم مسی ساگا۔ اونٹیریو (کینیڈا)

اذکروا موتٰکم بالخیر کے تحت دوست احباب اپنے بزرگوں والدین اور دیگر اقارب کی زندگیوں کے بارہ میں مضمون شائع کرواتے رہتے ہیں جب بھی کبھی ایسا مضمون نظر سے گزرتا ہے تو میری نظر حضرت پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب مرحوم کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ مدت سے یہ خواہش دبی رہی اور بوجہ مصروفیات زندگی اس کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ چند روز سے پھر سے اس خواہش نے شدت پکڑی ہے اور اس خیال سے بھی کہ حضرت قاضی صاحب مرحوم کا وجود ایسا نافع الناس تھا کہ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں احباب کسی نہ کسی رنگ میں اُن سے مستفیض ہوئے۔ ایک لمبا عرصہ گورنمنٹ کالج لاہور جیسے مشہور تعلیمی ادارے سے منسلک رہے اور پرنسپل کا عہدہ پایا۔ کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ فلسفہ کے صدر بھی رہے۔ حکومت کے اعلیٰ تعلیمی عہدے بھی حاصل کئے اور آخیر میں مختصر عرصہ کیلئے تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پرنسپل بھی رہے۔ جلسہ سالانہ ربوہ کے اجلاسوں کی صدارت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ ان تمام اداروں میں قاضی صاحب مرحوم کے وجود سے ہزاروں طلباء جن میں سے ماشاء اللہ سینکڑوں احباب آج کل اہم سرکاری اور غیر سرکاری افسران کا درجہ پا چکے ہوں گے) فیض یافتہ ہوئے۔ ویسے تو ان کا پسندیدہ مضمون فلسفہ ونفسیات تھا لیکن شخصیت ایسی جامع تھی کہ ہر مضمون سے تعلق رکھنے والا طالب علم ان کے وجود سے نفع حاصل کر سکتا تھا۔

ایسے نفع بخش وجود کے بارہ میں کچھ لکھنا بعض ایسی باتیں محفوظ کرنے کا موجب ہوگا۔ جو اُن کی شخصیت کے بعض لطیف پہلو اُجاگر کرتی ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر ہم تاریخ میں یہ بھی محفوظ کر سکیں گے کہ کیسے کیسے مایہ ناز سپوت احمدیت کا خادم بننے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس طریقہ سے ہم ایک طرح کا شکریہ ادا کر سکیں ان خدمات اور فوائد کا جو بدلہ میں جو ہم نے اُن کی زندگی سے حاصل کیئے۔

تعلیمی اداروں کو شہرت، فخر اور وجہ امتیاز بعض وجوہ کی بنیاد پر ہوتا ہے مثلاً یہ کہ فلاں ادارہ اتنی مدت سے خدمت کے فرائض انجام دے رہا ہے یا کونسی مشہور شخصیت اس ادارہ سے منسلک رہی ہے یا پھر یہ کہ اس کی عمارت اتنی قدیم یا جدید ہے۔ مثلاً پاکستان میں پنجاب یونیورسٹی کو اپنے تعلیمی معیار میں قدیمی روایات سے خواہ کس قدر دوری کیوں نہ ہو لیکن ایشیاء کی یہ ایک مشہور درسگاہ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ سے چل رہی ہے۔ علی گڑھ یونیورسٹی کا حال کتنا ہی پتلا کیوں نہ ہو لیکن اس کے قیام کی تاریخ اپنی مخصوص وجہ امتیاز رکھتی ہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ ملنا ایک وقت میں قابلیت کا ایک معیار تصور ہوتا تھا۔

گورنمنٹ تعلیم الاسلام کالج ربوہ اپنی شہرت، فخر اور وجہ امتیاز اس بات سے حاصل کرتا ہے کہ اس کے قیام میں اور چلانے میں ایسی بے لوث اور خدا رسیدہ ہستیاں کارفرما رہیں ہیں جن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی قابلیت اور عظمت کی پیشن گوئیاں کیں اور اپنے وعدوں کو خوب نبھایا۔ اپنے قیام سے لیکر ایک لمبے عرصہ تک یہ ادارہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث نور اللہ مرقدہٗ کی سرپرستی میں رہا۔ آپ کے امام جماعت احمدیہ کے انتخاب کے بعد یہ اہم ذمہ داری حضرت قاضی محمد اسلم صاحب مرحوم کی خدمات سلسلہ احمدیہ میں اضافہ کا موجب بنی۔ آپ کی شخصیت کسی مخصوص تعارف کی محتاج نہیں۔ ہزاروں لوگ جن کا جماعت احمدیہ سے تعلق بھی نہیں آپ سے متعارف ہی نہیں بلکہ معترف ہیں۔ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کا حکومت کی تحویل میں جانے سے قبل طوطی بولتا تھا۔ یہ اہم ادارہ نہ صرف جماعت احمدیہ کے طلباء کی تعلیم و تربیت پر کمربستہ تھا بلکہ غیر از جماعت طلباء کثیر تعداد میں اس میں داخلہ لیتے۔ کالج نے اس معیار کو پیدا کرنا اور اس شہرت کو حاصل کرنا دیانتدار اور بے لوث خدمت گار اساتذہ کی قربانیوں کا نتیجہ تھا۔ ان واقفین اساتذہ کی قابلیتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے واسطے یہ ضروری تھا کہ اس ادارہ کی سربراہی ایسے اشخاص کے پاس ہو جو اپنے تجربہ اور علم میں اپنی مثال آپ ہوں۔ اس لئے حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی نظر جماعت احمدیہ کے امام منتخب ہونے کے بعد اس ادارہ کی سرپرستی کے واسطے حضرت قاضی محمد اسلم مرحوم پر پڑی۔ مرحوم اپنے تجربہ اور علم اور شخصیت کے لحاظ سے اپنی واحد مثال تھے۔

میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد جب میں نے تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ لیا تو حضرت قاضی صاحب مرحوم ٹانگ کے ٹوٹنے کے باعث لاہور میں صاحب فراش تھے۔ نئے طالب علموں کو اپنے نئے ماحول اور ادارہ کو سمجھنے اور واقفیت پیدا کرنے کے واسطے ایک خاص جستجو ہوتی ہے اس لئے دیگر طلباء سے اپنے اساتذہ کے بارہ میں سوالات کرنا ایک جزو لازم کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی زمرہ میں پرنسپل کی شخصیت بھی زیر بحث آتی ہے۔ نتیجۃً نئے طلباء جلد ہی کالج کی اہم شخصیتوں کے بارہ میں ایک رائے قائم کر لیتے ہیں۔ اس تگ و دو کے نتیجہ میں حضرت قاضی صاحب مرحوم کی شخصیت کا جو تصور میرے ذہن میں ابھرا اس نے خواہش ملاقات میں شدت پیدا کر دی۔

میرا قیام فضل عمر ہوسٹل میں تھا جس کے انچارج چوہدری محمد علی صاحب تھے۔ آپ تھے تو فلسفہ کے پروفیسر لیکن ان دنوں انگریزی زبان میرا فرادا دیا کی وجہ سے تھا چوہدری صاحب والہانہ اس کمزوری کو خوب جانتے تھے اسی وجہ سے انتظامی معاملات کو سمجھانے میں انگریزی زبان کا حربہ اکثر استعمال کرتے۔ اس بات کا تو علم نہیں کہ انگریزی زبان انصاف کے تقاضے کس حد تک پوری کرتی لیکن ذہنی طور پر امن امان قائم کرنے کا یہ ایک مؤثر ہنر تھا۔ شاید انگریز قوم بھی برصغیر ہند پر اسی ہنر کی فوقیت کی بنا پر کئی سو سال حکومت کر گئی۔ انگریز کے انصاف کے قصے تو بہت مشہور ہیں، بعض اوقات خیال آتا ہے کہ شاید ان کا معاملہ بھی کچھ مختلف نہ ہو۔ بہر حال چوہدری صاحب نے فضل عمر ہوسٹل کے معاملات میں انگریزوں کی تاریخ سے ضرور کچھ فائدہ حاصل کیا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر حضرت قاضی صاحب مرحوم کی شخصیت کا جو تصور ابھرا تھا وہ نہایت ہی بھلا معلوم ہونے لگتا اور اندر ہی اندر ان کے انتظار کی آگ دبی دبی سلگنے لگتی۔ اور پھر شدت انتظار اکثر دعا میں تبدیل ہو جاتا۔ اللہ کرے قاضی صاحب جلد صحت یاب ہوں اور واپس آئیں۔ غالباً غیر دانستہ طور پر اس خیال سے تقویت پہنچتی کہ چوہدری صاحب اور صوفی صاحب سے بھی آگے ایک مقام قاضی صاحب کا ہے جہاں کبھی ہماری رسائی بھی ہوگی۔

حضرت قاضی صاحب مرحوم کو صحت یاب ہونے اور واپس کالج آنے تک ہم ایک سال کا عرصہ کالج اور ہوسٹل میں گزار چکے تھے اور اس تجربہ سے ہوسٹل میں رہنے کے کچھ داؤ پیچ معلوم ہو چکے تھے۔

اپنے پرنسپل کو دیکھنے اور ملنے کا شوق تو پہلے سے ہی موجود تھا۔ ہوسٹل میں رہنے والے طلباء کو ایک مزید فائدہ یہ ہوا کہ حضرت قاضی صاحب مغرب کی باجماعت نماز ادا کرنے کی غرض سے روزانہ ہوسٹل تشریف لاتے اور آدھ گھنٹہ، گھنٹہ طلباء کی غیر رسمی محفل میں مختلف باتیں کرتے۔ اس طرح "استاد۔ شاگرد" کے مخصوص رشتہ اور ماحول سے علیحدہ ایک گھریلو سماں پیدا ہوتا۔ ایسے معلوم ہوتا جیسے قاضی صاحب بھی ہماری طرح ہوسٹل میں رہتے ہیں اور وہ زور جو پرنسپل کا عہدہ اپنے ساتھ لاتا ہے دور ہو جاتا۔ قاضی صاحب مرحوم کچھ اپنی طبیعت کے لحاظ سے اور کچھ عمر کے تقاضہ کے پیش نظر دھیمی آواز سے گفتگو کرتے اس لئے میری خواہش رہتی کہ ان کے قریب بیٹھنے کی جگہ ملے تاکہ

ٹوٹنے کے باعث ضعف اور کمزوری ابھی باقی تھی اس لئے مغرب کی نماز کے بعد چند طلباء پرنسپل کی کوٹھی تک ان کے ساتھ چلتے۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اور دھیمے لہجہ میں فلسفیانہ باتیں کرتا ہوا یہ مختصر سا قافلہ کوئی پندرہ منٹ میں پرنسپل کی کوٹھی تک پہنچتا (ویسے یہ فاصلہ کوئی تین منٹ کا ہوگا) جب کبھی ٹانگ پر بوجھ محسوس ہوتا قاضی صاحب مرحوم کسی ساتھی طالب علم کے کندھے کا کچھ دیر کے لئے سہارا لے لیتے۔ ایک عجیب سماں ہوتا کالج کا پرنسپل اپنے طلباء کے ساتھ یوں گھل مل جاتا جیسے وہ اس ادارہ کا سربراہ نہیں بلکہ ہزاروں طلباء میں سے ایک طالب علم ہے۔ قاضی صاحب مرحوم کی شخصیت کا یہ ایک نہایت ہی سادہ اور لطیف پہلو تھا۔

قاضی صاحب مرحوم کا بعد نماز مغرب کا یہ مختصر سا قافلہ اکثر اوقات سینیر طلباء پر مشتمل ہوتا اور ہر چند میری خواہش ہوتی لیکن موقع نہ ملتا۔ ایک دن بعد نماز نوٹس بورڈ کے قریب کھڑا تھا کہ اچانک قاضی صاحب ایک طرف سے اکیلے ہی نمودار ہوئے اور میرے ساتھ گفتگو شروع کر دی۔ اور پھر فرمانے لگے کہ چلو گھر کی طرف چلتے ہیں مجھے وہاں تک چھوڑ آؤ۔ میں ساتھ ہو لیا جیسے انتظار ہی کر رہا تھا کہ آج تو موقع ملے گا۔ راستہ میں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے اچانک ایک جگہ رک گئے اور فرمانے لگے کہ ایک سوال پوچھتا ہوں جواب دیانتداری سے دینا۔ میں نے اثبات میں جواب دیا تو یوں گویا ہوئے "دیکھو میرا دماغ ٹھیک ہے؟" اس اچانک سوال پر مجھے حیرانگی ہوئی کہ کالج کا پرنسپل جو اپنی ذات میں مانی ہوئی شخصیت ہے مجھ سے کیا سوال کر رہا ہے۔ میں نے کہا "قاضی صاحب یہ آپ کیا سوال پوچھ رہے ہیں" تو فرمانے لگے۔ بوڑھا ہو گیا ہوں کبھی کبھار بھول بھی جاتا ہوں اور کبھی یہ بھی خیال آتا ہے کہ معلوم دماغ بھی ٹھیک رہا ہے کہ نہیں۔ اس لئے سوچا کہ پوچھ ہی لیتا ہوں۔ بھلا میری کیا حیثیت تھی کہ ایسی شخصیت کے دماغ کے بارہ میں اپنی رائے دیتا۔ ہم تو ان دماغوں سے کچھ سیکھنے گئے تھے نہ کہ اُن پر اپنی رائے کا اظہار کرنے۔ اور پھر خرابی دماغ کا جو تصور اس وقت میرے ذہن میں تھا اس کے مطابق اُس امتحان میں صرف وہی لوگ پاس ہو سکتے تھے جو بازاروں میں اور گلیوں میں نیم برہنہ حالت میں منہ سے مغلظات نکالتے رہیں۔ قاضی صاحب مرحوم اس حالت سے کوسوں دور تھے اس لئے ہر چند اس امتحان میں پاس نہ ہوتے۔ ایک لمبے عرصہ تک یہ واقعہ میرے ذہن میں نقش رہا کہ بالآخر قاضی صاحب نے مجھ سے ایسا سوال کیوں کیا جبکہ نہ میں ان کے قریبی احباب میں تھا اور نہ اپنی عمر اور تجربہ اور علم کی بنا پر ایسے سوال کا جواب دے سکتا تھا۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ جب اُن سے رفاقت بڑھی اور ان کی طبیعت اور مزاج کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو یہ حقیقت کھلی کہ حضرت قاضی صاحب مرحوم مدرس ہونے کے علاوہ پیشہ ورانہ فلسفی بھی تھے۔ اس واقعہ کے بعد قاضی صاحب مرحوم کے قافلہ میں میری شمولیت آسان ہو گئی اور اکثر اوقات اُن کی رفاقت کا موقع ملتا رہا ایک دن کہنے لگے تم روزانہ میرے ساتھ گھر تک چلا کرو۔ یوں ایک سولہ سالہ طالب علم کا کالج کے ساٹھ پینسٹھ برس کے پرنسپل کے ساتھ دوستی کا آغاز ہوا جو برسوں قائم رہا۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ مجھے ایک دفعہ اپنی نظر چیک کروانے لاہور جانا پڑا سوئے اتفاق کہ اس غرض کے لئے ڈاکٹر بشیر احمد صاحب اور ڈاکٹر سجاد احمد صاحب کے کلینک میں چلا گیا مجھے اس بات کا قطعاً علم نہ تھا کہ ڈاکٹر بشیر احمد صاحب قاضی محمد اسلم صاحب کے بھائی ہیں۔ جب واپس ربوہ آیا تو ہوسٹل کے کھانے کے کمرہ کے قریب قاضی صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ حال احوال دریافت کرنے کے بعد میں نے ذکر کیا کہ گزشتہ ہفتہ لاہور جانے کا اتفاق ہوا اور وجہ سفر بھی بیان کی۔ پوچھنے لگے کونسے ڈاکٹر کے پاس گئے تھے۔ یہ سن کر قدرے توقف کے بعد فرمایا "میرے تمام بھائی پڑھ لکھ کر بڑے کام کے آدمی بن گئے۔ نکمّا صرف میں ہی رہا" میں نے دریافت کیا کہ ڈاکٹر بشیر صاحب آپ کے بھائی ہیں تو فرمانے لگے ہاں، بلکہ ہمارے خاندان میں اکثر کا پیشہ ڈاکٹری ہی ہے۔ اس کے بعد کچھ سرسری تعارف اپنے خاندان کا کروا دیا۔ حضرت قاضی صاحب کا اپنے بارہ میں یہ بیان صریحاً کسر نفسی پر مبنی تھا گو خود ڈاکٹر نہ بنے لیکن کتنے ڈاکٹر ان کے مرید ہوئے اور اس زمانہ میں جب آپ گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل تھے کتنے طلباء میڈیکل کالجوں میں گئے اور ڈاکٹر بن کے نکلے کون حساب رکھ سکتا ہے۔

میرے تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے زمانہ میں قاضی صاحب کے پرنسپل ہونے کا دور بہت تھوڑا تھا جلد ہی کمزوری صحت کی بنا پر ریٹائرمنٹ پر لاہور چلے گئے۔ لیکن اس مختصر عرصہ میں اپنا نقش چھوڑ گئے اکثر میں ان کے دفتر بلا جھجک چلا جایا کرتا اور خود بھی فرمایا کرتے کہ جب کام ہو آ جایا کرو اگر دفتر نہ ہوں تو گھر آ جایا کرو۔ کئی بار تو صرف محفل کی خاطر اُن کی کوٹھی پر عصر کی نماز کے بعد چلا جایا کرتا اور جاتے ہی محفل جمتی۔

کچھ عرصہ بعد جب میں نے پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو قاضی صاحب سے تعلقات دوبارہ بحال ہو گئے۔ یہ زمانہ سنہ ۱۹۷۳-۷۶ء کا ہے۔ اس عرصہ کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ایک دور سنہ ۱۹۷۴ء سے پہلے کا ہے اور ایک بعد کا ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ سنہ ۱۹۷۴ء مئی کے بعد بہت کم احمدی طلباء پنجاب یونیورسٹی میں رہ گئے۔ جو رہے وہ بھی تکلیف دہ ماحول میں تھے۔ کھانے کے برتن الگ کر دیئے گئے۔ دھمکیاں ہر وقت ملتی رہتیں۔ سامان وغیرہ جو تھا وہ تو پہلے ہی سب کچھ ہنگاموں کی نظر ہو چکا تھا۔ کبھی کبھار اکا دکا چیز کسی کے کمرہ میں نظر آتی تو لوٹ مار کے چند واقعات یاد آ جاتے تھے اسی دور سے تمام احمدی واقف ہیں بلکہ ملک پاکستان کی تاریخ گواہ ہے۔ ۱۹۷۴ء مئی سے پہلے کا دور ایک ایسا زمانہ تھا جس میں احمدیہ انٹر کالجیٹ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن ایک بہت فعال اور سرگرم تنظیم تھی۔ اور ہوتی بھی کیوں نہ جبکہ اس کی سربراہی ہمارے موجودہ امام حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع خود کرتے تھے۔ بنفس نفیس کئی اجلاسوں میں شرکت کرتے اور جب بھی لاہور آنے کی اطلاع پہلے بھجوا دیتے تاکہ ملاقات کا ایک موقعہ نکل سکے اسی دور میں مجھے بھی ایک سال اس ایسوسی ایشن کا جنرل سیکرٹری ہونے کا موقعہ ملا۔ اس دوران متعدد مذاکرے، مختلف موضوعات پر جلسے بڑی شان سے پورے لاہور میں کئے جاتے۔ تعلیمی اداروں میں پوسٹر وغیرہ لگائے جاتے باقاعدہ دعوتی کارڈ پر موضوع جلسہ، تقریر کرنے والے علماء اور پروفیسر صاحبان کے نام گرامی درج ہوتے اور یہ کارڈ بکثرت طالب علموں میں تقسیم کئے جاتے۔ دعوت عام دی جاتی اکثر ایسے جلسے Y.M.C.A ہال واقع مال روڈ لاہور میں منعقد ہوتے اور نیو کیمپس سے پنجاب یونیورسٹی کے طلباء کے لئے علیحدہ بسوں کا انتظام ہوتا۔ حضرت قاضی صاحب مرحوم کی ساری زندگی طلباء میں گزری اس لئے ان تمام سرگرمیوں میں آپ کا وجود حاضر ہوتا گا۔ ہے لگا ہے جب بھی کوئی مشکل امر پیش آتا حضرت قاضی صاحب بڑی دلچسپی سے ہماری مدد کرتے۔ ان کی طبیعت کا خاصہ تھا کہ ان کے ساتھ بات کرنے میں نہ تامل ہوتا اور نہ ہچکچاہٹ محسوس ہوتی۔ اس قدر سادہ طبیعت اور مذاق تھا کہ عمر کا فرق ذرہ بھر حائل نہ ہوتا اس لئے ایک بات ہمیشہ طے ہوتی کہ جلسہ کی صدارت قاضی صاحب مرحوم کے ذمہ رہتی۔ آپ نہ صرف صدارت فرماتے بلکہ تمام تقاریر کو بہت غور سے سنتے اور نوٹس لیتے رہتے۔ ایسے ہی ایک جلسہ کا انتظام کیا جس کا موضوع "اسلام اور سوشلزم" تھا حسب معمول صدارت قاضی صاحب کے ذمہ رہی۔ اور مقام بھی Y.M.C.A ہال مذکور تھا۔ مقررین میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع مرزا طاہر احمد حضرت مولانا عبدالمالک صاحب مرحوم شامل تھے اور "سوشلزم" کے موضوع پر تقریر کے لئے پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ انتظامات کے پروفیسر اسرار جعفری صاحب تھے چونکہ یہ موضوع ایسا تھا کہ حکومت وقت اور اس کے سربراہ خود کو اسی موضوع کا ماہر تصور کرتے اور اپنے خیال اور رائے کو حرف آخر کا درجہ دیتے اس لئے طلباء میں گہری دلچسپی تھی۔ ہال سارا بھرا ہوا تھا بلکہ باہر بھی طلباء کھڑے تھے۔ نہایت عمدہ تقریریں ہوئیں۔ پروفیسر جعفری صاحب ایک ہردلعزیز شخصیت ہیں۔ تقریر بڑی پرزور کی حضرت قاضی صاحب صدارت کے فرائض کے ساتھ ساتھ نوٹس لیتے رہے اور جونہی پروفیسر صاحب نے ختم کیا حضرت قاضی صاحب نے ایک کاغذ

کاٹکڑا مجھے دیا کہ جعفری صاحب کو دے دو۔ جعفری صاحب پڑھ کر بہت محظوظ ہوئے اور صرف اتنا کہا کہ مجھے آپ سے اتفاق ہے گو جعفری صاحب کی تقریر سوشلزم پر تھی اور قاضی صاحب کے ریمارکس اسلامی تھے۔ مجھے افسوس ہے کہ صحیح الفاظ مجھے یاد نہیں رہے۔

لاہور میں حضرت قاضی صاحب کا قیام ان کی کوٹھی واقع گلبرگ میں ہوتا جب بھی میرا اُدھر سے گزر ہوتا اکثر چلا جایا کرتا۔ خود بھی کہتے کہ جب اُدھر آؤ آجایا کرو۔ اسی کمرہ میں ہوتا ہوں یا زیادہ سے زیادہ باتھ روم تک جاؤں گا۔ فون وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

ایک دفعہ میرے ایک کلاس فیلو جو بہاری تھے اور مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بننے کے بعد سے کچھ خانگی اور مالی پریشانیوں کا شکار رہتے تھے۔ والدین غالباً بنگلہ دیش میں پھنسے ہوئے تھے اور ذریعہ آمد کوئی نہ تھا۔ یہ صاحب ایک دفعہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مالی طور پر بہت تنگی ہے اور کام کی تلاش کر رہا ہوں۔ نیشنل بینک میں درخواست دی ہوئی ہے اور ایک جگہ بھی خالی ہے لیکن وہاں ایک احمدی افسر ہے اگر تم سفارش کرو تو شاید کام بن جائے میں تو ان احمدی افسر صاحب سے واقف نہ تھا لیکن اچانک حضرت قاضی صاحب کا خیال آیا۔ فوراً ہی ہم دونوں موٹر سائیکل پر آپ کے گھر پہنچ گئے۔ حال احوال دریافت کرنے پر پوچھا کہ کہو کس طرح آئے ہو غالباً میرے ساتھ ایک اجنبی کو دیکھ کر سمجھ گئے ہوں گے کہ کسی کام کی غرض سے آیا ہے۔ میں نے مدعا بیان کیا اور اپنے دوست کے تعارف میں یہ بھی بیان کر دیا کہ یہ دوست ہماری جماعت سے تعلق نہیں رکھتے۔ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے فرمانے لگے کہ یہ تم نے کیسی بات کہی ہے۔ ضرورت مند کی حاجت پوری کرنے میں احمدی غیر احمدی کا فرق بے معنی ہے۔ ہماری جماعت کا ایک بڑا مقصد حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے خدمت خلق بھی بیان کیا ہے۔ اور اس میں مذہب اور فرق کی قید نہیں۔ پھر ذرا سختی سے فرمانے لگے "دیکھو اب کبھی ایسی بات نہ کرنا" میں نے وضاحتاً عرض کیا کہ قاضی صاحب! میں نے تو صرف تعارفاً میں ایسا کہا ہے میرا مدعا فرقہ پرستی نہیں۔ تو فرمانے لگے کہ حاجت کے وقت ایسے فرق کو ظاہر کرنا ایسا تاثر دیتا ہے جیسے ہم فرقہ پرستی کرتے ہیں پھر میرے دوست کی طرف متوجہ ہوئے اور اس احمدی افسر کا نام پتہ پوچھا۔ سن کر کہنے لگے کہ میں تو اس نام کے کسی احمدی کو نہیں جانتا۔ پھر کچھ اور کوائف پوچھے جن کا جواب ہمارے پاس نہ تھا۔ پھر فرمایا کہ لاؤ پنسل کاغذ۔ جب حاضر کیا تو اس افسر کے نام ایک سادہ سی چٹھی لکھ دی۔ میں نے کہا کہ قاضی صاحب آپ تو اسکو جانتے بھی نہیں اور چٹھی کیسے لکھ دی۔ تو فرمانے لگے اگر احمدی ہے اور میں نہیں جانتا تو وہ تو مجھے جانتا ہی ہوگا اور اگر گورنمنٹ کالج لاہور کا پڑھا ہوا ہوگا تو کچھ لحاظ تو کرے گا۔ پھر فرمایا ہمارے پاس سے کوئی آدمی خالی نہ جائے ہم نے تو اپنا فرض پورا کر دیا۔ یہ تھی حضرت قاضی محمد اسلم صاحب مرحوم کی شخصیت۔

۱۹۷۳ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر میرے ساتھ تین غیر احمدی دوست تھے پنجاب یونیورسٹی میں ہم اکٹھے پڑھتے تھے (وہ تینوں آج کل حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ ایک تو ماشاءاللہ ترقی کر کے ۵ ۔ ۔ کے عہدے تک پہنچ گئے ہیں) ہم میں آپس میں بحث چھڑ گئی کہ آیا پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور کا عہدہ بڑا ہے یا پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر کا۔ گورنمنٹ کالج چونکہ ایک مشہور درس گاہ ہے جہاں ایک زمانہ میں داخلہ ملنا قابلیت کا ایک معیار تصور ہوتا تھا۔ اس لئے اس کالج کے پڑھے ہوئے طلباء اکثر بڑے فخر سے یہ بات بیان کرتے ہیں کہ ہم اس کالج کے طلباء ہیں۔ اور یہ احساس برتری بعض اوقات غیر ضروری طور پر نمایاں ہو جاتا ہے۔ میرے دوست بھی غالباً اسی مرض کے پنجہ میں گرفتار تھے۔ اور بضد تھے کہ پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور اپنے عہدہ میں بہ اعتبار معاشرتی مقام زیادہ اہم ہے اسی پر یہ بات اور بڑھا دی کہ اگر پرنسپل کو وائس چانسلر بننے کی پیشکش کی جائے تو وہ انکار کر دے گا۔ میری رائے اس کے الٹ تھی اور دلیل یہ تھی کہ گورنمنٹ کالج لاہور اپنی تاریخ میں کتنی شہرت ہی کیوں نہ رکھتا ہو بحرحال پنجاب یونیورسٹی کے ماتحت ہے اور اپنی ڈگریاں بھی پنجاب یونیورسٹی کے نام سے لیتا ہے۔ اس لئے یہ دونوں برابر نہیں۔ کالج یونیورسٹی کا کئی لحاظ سے قیمتی ادارہ ہے اور نسبتاً جغرافیائی حدود میں مقید ہے۔ لیکن ہمارے دوست نمک حلالی کے طور پر یہ بات ماننے کو تیار نہ تھے گویہ بحث بے نتیجہ بے مقصد تھی لیکن کسی صورت ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔ اچانک میری نظر حضرت قاضی صاحب پر پڑی جو اس وقت جلسہ سالانہ کی صدارت کر رہے تھے۔ میں نے کہا کہ اس جلسہ کے بعد اس بحث کا خاتمہ کروا دوں گا۔ فرمانے لگے وہ کیسے؟ میں نے عرض کیا کہ جلسہ کی صدارت جو صاحب کر رہے ہیں وہ گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل رہ چکے ہیں ان سے زیادہ موزوں منصف نہ مل سکے گا۔ جبکہ وہ خود بھی اسی مقام پر رہے ہیں جس کی تم تعریف کر رہے ہو۔ جلسہ کے اختتام پر ہم سب قاضی صاحب کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔ جم غفیر کے جانے کے بعد ہلکی گرد میں سے حضرت قاضی صاحب اکیلے ہی آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ میرے دوست یہ بات ماننے پر تیار نہ ہوئے کہ یہ وہی شخص ہیں جو آدھ گھنٹہ پہلے اتنے بڑے جلسہ کی صدارت فرما رہے تھے اور اب اکیلے پیدل چلے آتے ہیں پہلے تو یہ مسئلہ حل کیا اور پھر قاضی صاحب سے یہ دریافت کیا کہ کیا آپ ہی صدارت فرما رہے تھے اور پھر یہ کہ کیا آپ بھی گورنمنٹ کالج کے پرنسپل رہ چکے ہیں۔ جب جواب اثبات میں ملا تو حیرانگی اور بڑھی۔ اس پر میں نے اپنے دوست کو بتایا کہ جماعت احمدیہ شخصیت پرستی نہیں کرتی۔ اور احمدیت نے کئی لحاظ سے چھوٹوں کو بڑا اور بڑوں کو چھوٹا کر کے ایک ایسا معیار مقرر کر دیا ہے۔ جس میں فرق زیادہ نہیں ان باتوں کے بعد میں نے قاضی صاحب سے عرض کیا کہ ایک مسئلہ زیر بحث ہے جس کو صرف آپ ہی سلجھا سکتے ہیں جب قصہ بیان کیا تو آپ کی گورنمنٹ کالج کی وابستگی کی یاد دوبارہ اچانک ہری ہو گئی فرمانے لگے کہ بھئی گورنمنٹ کالج کی تو بات ہی اور ہے۔ اس پر میرے دوست بہت خوش ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ سوال یہ بھی ہے کہ آیا گورنمنٹ کالج کے پرنسپل کو وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کا عہدہ پیش کیا جائے تو کیا وہ اسے قبول کرے گا؟ کچھ توقف کے بعد فرمایا کہ "وقت وقت کی بات ہے۔ آج کل تو کسی جگہ عزت نہیں" پھر کہا "بھئی سچی بات ہے اگر میرے وقت میں مجھے ایسی پیشکش کی جاتی تو میں تو قبول کر ہی لیتا لیکن ایسا موقعہ ہی نہ آیا۔ ۔ جواب سے میری تسلی بھی کروا دی۔ پھر فرمانے لگے کیا پروگرام ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کوئی خاص نہیں۔ تو کہنے لگے چلو پھر میرے ساتھ گورنمنٹ ۔ مل کر باتیں کرتے ہیں۔ قاضی صاحب چونکہ چوہدری محمد علی صاحب کی کوٹھی پر ٹھہرے تھے۔ اس لئے وہاں چلے گئے۔ راستہ میں چلتے ہوئے چوہدری صاحب بھی سائیکل پر جاتے ہوئے ہم سے آن ملے پھر یہ قافلہ آہستہ آہستہ چوہدری صاحب کی کوٹھی پر پہنچا جہاں دھیمی روشنیوں میں دونوں بزرگ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ ۔ ۔ کے زمانہ کی تقسیم ہند کے دور کی، تعلیم الاسلام کالج کے قیام کی فلسفہ اور نفسیات کی اور کبھی علی گڑھ یونیورسٹی کے احوال کی۔

آج قاضی صاحب مرحوم ہم میں نہیں ان کی یادیں باقی ہیں۔ ہزاروں زندگیوں پر ان کی ذات نے اثر ڈالا۔ اگر ہم سب طالب علم اپنی اپنی یادداشت سے چند واقعات اکٹھے کر سکیں تو حضرت قاضی صاحب کی زندگی اور شخصیت، اور دینی و دنیوی خدمات پر ایک مربوط کتاب بن جائے اور یہ ایک عمدہ تذکرہ ہوگا ان کی ان عظیم خدمات کے بدلے میں جو انہوں نے اپنی ساری زندگی میں بطور مدرس انجام دیں ؂

جلسہ ہائے سیرت النبی صلعم

جماعت ہائے احمدیہ حیدرآباد، سکندرآباد، آگرہ، پودم، شیموگہ، ساگر، بھدرک، منو جھنڈار، جڈچرلہ، چنتہ کنٹہ، اڑیسی، کٹک، شاہجہانپور، امرکہ، اندررہ خانپور ملکی، رشی نگر، کرولی، شورت، مجالس خدام الاحمدیہ موسی بنی مائنز، علی گڑھ، خانپور ملکی، لجنات اماء اللہ کیرنگ، ساگر، سکندرآباد، یادگیر، کینڈا پاڑہ اور سورب کی طرف سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت باسعادت کے موقعہ پر شایان شان طریق سے جلسہ ہائے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انعقاد کی خوشکن رپورٹیں موصول ہوئی ہیں۔ بوجہ عدم گنجائش ادارہ ان رپورٹوں کی تفصیلی اشاعت سے معذرت خواہ ہے۔ اور بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہے کہ مولیٰ کریم اپنے فضل سے تمام جماعتوں اور ذیلی تنظیموں کی مساعی کو قبول فرمائے اور انہیں بار آور فرمائے۔ آمین۔

(ادارہ)

ادارتی ۔۔۔۔۔۔ بقیہ صفحہ

● ۔ ۲۰ غیر ملکی زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کا کام تیزی سے شروع کیا گیا۔ جن میں سے بعض اب تک بفضلہ تعالیٰ فرانسیسی، کورین، یوگنڈری اور جرمن تراجم زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں۔

● ۔ اردو میں جماعت کی متعدد ضخیم کتب بہترین گیٹ اپ کے ساتھ شائع کیے جانے کے علاوہ دنیا بھر کی ۲۰ اہم زبانوں میں جماعت کا قیمتی لٹریچر تیار کیا گیا۔

● ۔ اہم زبانوں میں تبلیغی کیسٹیں تیار کر کے انہیں دنیا بھر میں پھیلایا گیا۔

● ۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ موجودہ دور ابتلاء میں جماعت کے ہر فرد میں ایک نئی روحانی بیداری پیدا ہوئی۔ اور کوئی بھی ملک ایسا نہیں رہا جہاں جماعت کی تربیتی سرگرمیوں میں پہلے سے نمایاں اضافہ نہیں ہوا۔

دشمنان احمدیت کے ناپاک عزائم کے مقابلہ میں جب ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے موسلا دھار بارش کی طرح نازل ہونے والے ان غیر معمولی افضال و برکات سماوی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارے دل تشکر و امتنان کے جذبات سے لبریز ہو کر آستانہ الٰہی پر جھک جاتے ہیں اور سیدنا حضرت اقدس امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے بابرکت الفاظ میں ہم میں سے ہر فرد جماعت کے دل کی گہرائیوں سے یہی آواز بلند ہوتی ہے کہ:۔

"اے ہمارے خدا! تیرا ابتلاء بھی ایک احسان ہے جس کا ہم جتنا چاہیں حق ادا کریں مگر ہم حق ادا نہیں کر سکیں گے۔ اور ہمیں جو اس کام کے لئے تو نے چن لیا ہے یہ بھی تیرا احسان ہے۔ ورنہ ہم حقدار نہیں تھے۔ اور اس کے نتیجہ میں تو فرماتا ہے کہ ہم تمہاری مدد فرمائیں گے اور تمہاری نصرت کو آئیں گے اے خدا! ہم تو کسی چیز کے بھی حقدار نہیں تو ہی حق ہے۔ تیری ہی بنا پر ہم نے حق کی ادائیگی سیکھی ہے۔ اور ہماری غفلتوں سے پردہ پوشی کے بھی تو نے ہی وعدے فرمائے ہیں۔ اور عفو کے طریق بھی ہمیں سکھائے ہیں۔ پھر عفو کا سلوک بھی ہم سے فرمایا۔ تو جو کچھ ہے تو ہی تو ہے۔ ہم تو کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتے

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس سے بہتر مومن کے دل کی اور کوئی آواز خدا کے حضور نہیں اٹھ سکتی۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۵/۱ سنہ ۸۵)

(خورشید احمد انور)

کلمہ طیبہ سے دشمنی ۔۔۔ بقیہ صفحہ ۲۵

استقبال کے لئے کئی فرسخ دور دو رویہ صف باندھ کر کھڑے ہوئے اور عربی ایڈریس میں اسے خوش آمدید کہا گیا۔ اور تمام مسلمانوں کی طرف سے اس کا شکریہ ادا کیا گیا ایڈریس میں لکھا ہے کہ۔

"مذہبی رواداری حکومت انگریزی کا خاصہ ہے"

نیز یہ بھی لکھا ہے کہ "اور ہم اس یقین پر قائم ہیں جیسا کہ ان کی حکومت سے وفاداری مسلم ہے ان پیدا ہونے والے علماء کے ذریعہ سے جو حکومت کی اطاعت اور فرمانبرداری میں زیادہ ہو جائیں گے۔ اور اس وقت ہم نہایت خلوص سے شکریہ ادا کرتے ہیں"

(الندوہ دسمبر ۱۹۰۸ء)

بہر حال یہ مشہور دینی درسگاہ ندوۃ العلماء بنیادی اعتبار سے حکومت انگریزیہ اور اس کے گورنروں کی مرہون منت ہے۔ یہ تو رہی ادارہ ندوۃ العلماء کی حقیقت اب کچھ حال اس کے بانی مولوی محمد علی صاحب مونگیری کا بھی قارئین کرام پڑھ لیں۔

بانی ندوۃ العلماء

حدیث نبوی میں آتا ہے کہ آخری زمانہ میں میری امت کے بعض لوگ بھی یہود سے مشابہت اختیار کر لیں گے یہاں تک کہ اگر کسی یہود نے اپنی ماں سے صحبت کی ہے تو اس امت میں بھی کوئی ایسا بد قسمت ضرور ہو گا۔ مگر بانی ندوۃ العلماء مولوی محمد علی صاحب اس فعل کو ولی بننے اور مسلمان بننے کا نسخہ سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:۔

"ہم نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ اپنی والدہ سے صحبت کی اور اپنے بھائی کو مار ڈالا یہ دیکھ کر ہم بہت گھبرائے۔ حضرت سے عرض کیا (حاشیہ میں لکھا ہے یعنی حضرت شاہ محمد آفاق رضی اللہ عنہ ناقل) فرمایا کہ اس خواب کو دیکھنے والا ولی ہو گا۔۔۔۔۔ سالک راہ خدا جب تک اپنے بھائی کا سر نہ کاٹے اور اپنی ماں سے صحبت نہ کرے مسلمان نہیں ہوتا۔"

(ارشاد رحمانی و فضل یزدانی صفحہ ۹۳ مؤلفہ مکرم مولوی سید محمد علی صاحب بانی ندوۃ العلماء)

ولی بننے اور مسلمان بننے کا یہ نسخہ ندوی علماء کو ہی مبارک ہو۔ قرآن کریم اور احادیث نبوی سے تو اس نسخے کا کچھ پتہ نہیں چلتا یہ ہے ندوۃ العلماء کا خمیر جو اب اس قدر آگے بڑھ گیا ہے کہ کلمہ طیبہ کو مٹانے پر اتر آیا ہے۔ ندوۃ العلماء کو ہمارا یہی مشورہ ہے کہ دوسروں پر کیچڑ اچھالنے سے پہلے اپنے گریبان میں ضرور جھانک لیا کریں۔ ع

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

حرف آخر

مسٹر ضیاء الحق فوجی سربراہ پاکستان نے کلمہ طیبہ کو مٹانے اور اس کی توہین کرنے کے لئے جس طرح پر جماعت احمدیہ کو آڑ بنایا ہے وہ محض ایک سیاسی ڈھونگ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں کا ہر فرقہ ضیاء الحق کی اس ناپاک جسارت کے مقابل پر کلمہ طیبہ کی حفاظت کے لئے اپنی غیرت کا اظہار کرے اور پاکستان کے فوجی حکمرانوں کو سمجھائے کہ کلمہ طیبہ اسلام کی بنیاد اور اسلام کا خلاصہ ہے اس کلمہ طیبہ کو احمدی لکھے یا غیر احمدی، عیسائی یا ہندو یا دہریہ کسی پر کوئی قدغن عائد نہیں کی جاسکتی مگر اسے مٹانے یا اس کی توہین کرنے کی اجازت کسی کو بھی حاصل نہیں اور کسی کو نہیں دی جاسکتی ع

پھولیں پھلیں گے ہر سو کلمہ پڑھانے والے
مٹ جائیں گے جہاں سے کلمہ مٹانے والے

دورہ وقف جدید

انسپکٹران وقف جدید کلکتہ اڑیسہ۔ بہار۔ آندھرا پردیش کرناٹک۔ تامل ناڈو۔ اور کیرالہ کے دورہ کے لئے ۲۰ دسمبر جلد ہی روانہ ہوں گے۔ انشاء اللہ

انچارج وقف جدید

"بدر میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے!"

Regd No. P. GDP-3

Phone No. 35

THE WEEKLY BADR QADIAN-143516

Dated 26th. DEC. 1985

ANNUAL GATHERING NUMBER

PRICE Rs. 2.50